مقدمہ تفسیر القرآن

جلد

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ
۱۸۹۹

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک عہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع متین مقبول جہان شد

طوفان بے تمیزی کے آگے اس کی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور آخر اس وفتر بے پایاں سے اُس نے اپنا پہلو بچایا اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہلبیت کی روایتوں سے گریز کی ہے اس نے اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے لینا قبول کیا مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اُس نے خاندان بنی اُمیہ کی روایتوں کو [illegible] لیا اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی عمولی طور پر کیونکہ بنو اُمیہ میں بھی وہی کشمکش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی۔ اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دی گئی ہے بنو اُمیہ کا خاندان برباد بھی ہو چکا تھا اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنو اُمیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اس کے پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ جتنی روایتیں کی ان یا ان جیسی اور کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ اُن میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہوں گی مگر کوئی محک اُن کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے اسی طرح سنیوں کی کتابوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر روایت کو پرکھا جا سکتا ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد بھی کامیابی ضرور ہو سکتی ہے اسماء الرجال کا علم اس قدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما بنے اور اُن دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آگے حایل ہو جاتی ہیں۔ اور اگر صرف اسماء الرجال پر تکیہ کر لیں گے تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔ پھر ہمیں اسماء الرجال کے ساتھ تاریخ کو بھی [illegible] ترتیب دینا پڑے گی مثلاً اسماء الرجال نے ایک راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی شہادت دی تو مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اُس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں جس سے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں نہ اس کے [illegible] کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کما ینبغی واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ میں تھا معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور کشف الظنون نے علما کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اُتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسماء الرجال کے مرتب ہونے کے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اُٹھائی ہے اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا سب جھگڑا قطعی اُٹھ جاتا اور یہ فروعی اختلاف جس نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی اب بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا [illegible] فعل
کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا
گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابوالقاسم (یعنی آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم) کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے [illegible]
بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس [illegible] کے
مسئلے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب [illegible] ہے یا خاص اس صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
ایسا کیا کرتے تھے بعض کے نزدیک تسلیم نہیں کیا [illegible] بعض کے ہی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں
ہو سکتا کہ بیشک یہ اس صحابی کا قول ہے جس کے [illegible] روایت کیا گیا ہے [illegible] احتمال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی
حدیث میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی ثقاہت [illegible] ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیوں کر ممکن
ہو سکتا ہے کہ اس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں۔

عام راوی جو روایت میں اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان [illegible] ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی
معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے معمولی [illegible] بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا
کہ الفاظ کا اس نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اس بیان کردہ مفہوم کو [illegible] انہی معنی میں لیا ہو جو معنی
قائل کے ذہن میں تھے۔ عام طور پر چند اصولوں نے کبھی خود اپنے حواشی کا متعلق خیال نہیں کیا ہے [illegible] راوی سنی ہو
یا شیعہ۔ خارجی ہو یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت تھی اور خواہ وہ کسی بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں
کی جب [illegible] رہ گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں
جو ثقہ ہو گا اور اس [illegible] اور موقع سے خوب واقف ہو گا اسی کو اختیار کریں اور اگر ثقہ راوی کے قول میں
ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہو گا مثلاً وہ کہتا ہے کہ وہ جب کا لفظ وارد ہوا ہے [illegible] کا [illegible]
آیا ہے [illegible] تو اسے بھی اختیار کریں گے اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا
ہو گا اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے اور کوئی ترجیح نہ ہو گا اور وہ تمام [illegible] مختلف [illegible]
ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی [illegible]
ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزور یا خیالی بات نہیں ہونے کی [illegible]
صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف [illegible] معدود نہیں
ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو گا کہ
آپ کا کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ یا بات دریافت نہیں
کیا۔ سب با ادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کس کی [illegible]
کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اس کا جواب دیتے [illegible]

حالات بلا سبب صحابہ کے آگے فرماتے۔ نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا خدا کو ایک مانو اور محمد کو اس کا برحق نبی جانو، روز آخرت پر ایمان رکھو نماز پڑھو زکوٰۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایک بار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مین میخ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہوگئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات بھی [illegible] راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہم نے اوپر مختصراً کچھ بیان کی فقہا کی سن لیجئے انہوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور ان ہی [illegible] [illegible] جہاں تک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے انہیں طول دیا اور وہ [illegible] مسائل نکالے کہ جو کبھی خیال میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ چوں کہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف ہوا اور اختلاف بھی اس قدر کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ وہ ہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اس قدر پڑتا تھا کہ وہ معمولی باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے آنحضرت نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے۔ اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسی طرح اعمال حج ادا کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا اور رکن و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسائل کے سمجھانے کی کوئی ضرورت تھی یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انہیں کچھ بھی تعلق نہ تھا گو بعد فقہا نے انہیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے مگر چشمہ اسلام اس سے بالکل مبرا ہے اور اس [illegible] [illegible] مزاجیہ گیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا [illegible] احتمال ہے کہ کوئی شخص [illegible] کے وضو کرلے اور اس [illegible] وضو رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے۔ الا ما شاء اللہ۔ صحابہ اس قسم کے فضول امور کو کبھی دریافت ہی نہ کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ انہوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ ہیں کہ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دے اس مہینہ میں لڑنا بڑا ہے و یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر۔ اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں۔ و یسئلونک عن المحیض

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کا قول ہے وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے سنا ہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں
قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہ دریافت کرتے تھے اور جن ایسے امور کی تفتیش
نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم انہیں جانتے تو ان کا چھپانا
کسی طرح بھی جائز نہ ہوتا۔ عمر بن اسحق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اُن کی
تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی
زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے اُن سے اس عورت کا حال دریافت کیا جو
ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اُس کا کوئی ولی نہ تھا۔ انہوں نے بیان کیا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو اس
طرح کی سختی نہیں کیا کرتے نہ تمہارے ان مسائل کو وہ دریافت کرتے تھے جو تم [illegible]

دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں
دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی
کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ
آئے ہوں اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جن کا سلسلہ جب ہی شروع ہو گیا تھا سوچنے کی
بات ہے جب خلفاء کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی تو پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا
ہے کہ کیسی آفت برپا ہو۔ مگر جب تک صحابہ موجود رہے انہوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو
روکا اور جو [illegible] ایسے لوگ [illegible] غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسائل
میں رد و کد کرتے تھے۔ مگر جب صحابہ کی وفات ہو گئی اور کوئی صحابی زندہ نہیں رہا تو غلط روایات کا طوفان
چاروں طرف سے اُٹھا اور وہ مفسد طبائع جو صحابہ کے رعب سے دبی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں
اور انہوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا۔ پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات
کی اُن میں آمیزش ہو گئی۔ خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کے ساتھیوں کی نسبت ایسی
ایسی روایتیں گھڑ لیں [illegible] اور وہ طوفان اُٹھائے کہ الامان [illegible] یہاں تک کہ آپ کی شان عالی میں
اعلانیہ گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دے دیا۔ اسی طرح ایک دوسرے فرقہ [illegible] نے اس
دلیل کے جواب میں اصحاب ثلاثہ پر وہ وہ نا ملائم الزام لگائے کہ شیطانی فسانوں کو بھی مات کر دیا جو باتیں عقل
اور نقل کے بالکل خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی سمجھ میں بھی نہ آسکیں وہ ان سے منسوب کی گئیں اور مبالغہ
کی انتہا کو یہاں تک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد اُن کی کیفیت بیان کر دی اور عالم ارواح کے
رازوں کو جنہیں کوئی نہیں کھول سکتا ہے اپنی فسانہ پسند طبائع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا۔
اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ اُن کی زندگی ہی کے واقعات بیان کئے جاتے اور خواہ کچھ بھی اُن کی
نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی

وہاں تو غضب یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو بھی اُن کا پیمانہ چھوٹا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ آل [illegible] بھی ہیں۔

[illegible] اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا [illegible] جس سے معلوم ہو گا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کس قدر ہے اور جن لوگوں [illegible] یہ روایتیں گھڑی ہیں اُنکا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے حضرت امام [illegible] علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنی آپ فرماتے تھے کہ میں ایک دن شام کو [illegible] نکلا تو [illegible] ایک وادی میں پہونچا میں نے [illegible] کی ایک پہاڑی [illegible] [illegible] کی آواز سنیں جب میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ [illegible] ان ہی کے لئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے [illegible] ایک [illegible] پہاڑی [illegible] صورت دیکھ کے مجھے طاقت [illegible] میں [illegible] یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنہیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرائیل کا ہزار ہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہرے کرنا اور پہرے سے وحی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریق میں بنا کے [illegible] بھی جاتی ہیں اور ان کا منکر یا ان میں شبہ کرنیوالا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا اس ظلم عظیم کا اندازہ [illegible] ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے بستم ہے کہ ازواج پاک اپنے اُن تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات [illegible] روایات نے فقہ پر بھی [illegible] ڈالا کیوں کہ ہر فقیہ اُس وقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا جب [illegible] کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اُسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی پرکھ بالکل اُس کی ذاتی تحقیق اور اُس کے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو تمام فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنی ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک کی خیالی ہے اور ایک مجتہد کا [illegible] نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو بعمل اللہ کے آگے پیش کرنے کی [illegible] [illegible] تو مشکل ہزار میں سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی [illegible] [illegible] احکام الٰہی کی کیسی متناقض آ کے واقع ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ [illegible] [illegible] کیا وہ اسلام کو [illegible] کی غرض سے کیا اور [illegible] [illegible] اُن کا [illegible] [illegible] کی حالت سے بھی وہ بہتر نہ تھے اور مسلمانوں کا کوئی فرقہ

اپنے علما کو معصوم نہیں تسلیم کرتا ضرور اُن پر ان لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں اور اگرچہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے انہیں انقطاعی یقین اپنی جمع کردہ احادیث پر نہ تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دیدیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانئ اسلام سے رکھتے تھے یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ اور لوگوں کے پاس اس سے صحیح زیادہ احادیث پہنچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں مبادا اس کتاب کی اشاعت سے انہیں صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں۔

یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جس کی نظیر اور کسی قوم کے علما میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہسکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیونکہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اس پر یقین ہوتا بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا اسلئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہسکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اُس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسائل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہیں اور اُس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتیں حضرت بی بی عایشہ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے کہیں باہر چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اُس کے پاک ہونے کی نسبت فیصلہ کیا حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کے پردہ کرنے کا صاف حکم آگیا تھا اور منع کردیا گیا تھا کہ نہ کوئی صحابی در آنا اندر چلا آئے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے بلکہ کوئی چیز لینی دینی ہو یا کچھ تو دروازہ کے باہر کھڑے ہو کے دریافت کرلیا کرے جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عمل درآمد ہونا بھی لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابی نے یہ ناپاک مسائل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اُس کا ایسا صاف جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے ہی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فقہا کو ایسے مسائل کی تنقیح کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی لیکن انہوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی بنانے کے لئے ان غلط مشہور شدہ روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کردی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور [illegible]

اور انہیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کریگا۔ کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسی طرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسائل کا دارومدار ہے اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم و بیش سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اس سے ہزارہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفائے راشدین کے زمانہ تک قرآن کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اُس کے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں اور حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کتنی فرقے ہو گئے اور اُن میں کشیدگی یہاں تک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جن میں یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ۔ یہ صحیح ہے کہ باہم مسائل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہو جاتا تھا مگر خاتمہ کلام پر پھر باہم وہی شیر و شکر ہو جاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب و غریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ کچھ رنگ اُن روایات کا پایا جاتا ہے جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہو گئیں تھیں۔ مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتے الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے۔ اس میں کسی طرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلےٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لے کے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں۔ اسی طرح تفسیر اہلبیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ائمہ معصومین کی زبانی بیان ہوتی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ آیا ائمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں اُن کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے۔

ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ قرآن مجید کا نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال رہتا تو اُسکی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایت کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی

مشکل امر ہے ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں سنیوں خوارج۔ اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے فریق کی تفسیروں کو نہیں مانتا جب فرقہ بندی کی وجہ سے کہو فریق سے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا ہی لئے اس کی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علماء نے رسول اللہ سے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے کاش حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفا میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور بیشک اس وقت ہر مفسر جو ان کے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیوں کہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو رسول خدا سے سنی تھیں اور نہیں اور روایات درج کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔ اور ایسی حالت میں ان کی تفسیر پر جرح قدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا۔ مگر جب کہ یہ بات نہیں ہے اور ان میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ کیوں اور کس لئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اس پر وحی اترتی ہے زبردستی تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بددین کہیں جو ان کی مخالفت کرے۔ جبکہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لیکے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا۔

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتلاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقایق اور نکات کے سمجھانے میں عجیب کمال کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگزاشت ضرور ہو گئی ہے اور کہیں کہیں مروجہ [illegible]یات سے متاثر ہوکے اس نے قرآن کے اصل منشا کے خلاف لکھ دیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیوں کہ مفسر بھی آخر انسان تھے اور انسان کے ساتھ جو کمزوری اور فروگزاشت لگی ہوئی ہے وہ اس کی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے۔ ہر انسان کے ساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے اصل مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہم نے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اس پر بالتفصیل بحث کریں گے اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اہلبیت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت سخت عداوت تھی۔ اور [illegible]

کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنا لئے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بھی محبت رکھتے تھے اور آپ کو صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جبتک وہ
حیات رہیں غایت درجہ اُلفت تھی۔ آپ کو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپ کے
لڑکے صغیرسنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کے دو بچے حسنین موجود تھے اسلئے آپ
اُن ہی کو اپنا بچہ سمجھتے تھے اور ان سے بیحد محبت رکھتے تھے۔ اولاد کے شوق میں آپ نے اپنے غلام کو بیٹا
بنا لیا تھا اور آپ اُس کو بچوں کی طرح سمجھتے تھے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تلدیک
کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی
تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض بھی کی یا رسول اللہ آپ اس قدر کیوں زاری فرماتے
ہیں جب کہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب و غریب ہیں میں
نہیں روتا میرا دل رو رہا ہے۔ یا اسی قسم کے دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپ کی محبت
کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے
لگتے تھے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں برکت دیتے تھے۔ جب آپ کی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے
کہ بی بی فاطمہ اور ان کے بچوں سے آپ کس درجہ محبت کرتے ہوں گے آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے
آپ چھاتی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اٹھاتے تھے۔ اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج پر
کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد اس وقت تو ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ
توجہ فرماتے اور انہیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ
حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی سہی جلتیں اور قدرتی دشمن بنجاتیں۔ جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہلبیت میں
بیان کی جاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت بی بی فاطمہ
کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطے انہوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو۔

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ
پہ الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے تو حضرت بی بی عائشہ کی سفارش
کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول کیوں اتنا تردد فرماتے
ہیں حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کریں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے
کہ حضرت علی اور حضرت بی بی عائشہ میں دشمنی تھی مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی
آپ نے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت
ہیں اور اگر فرض کریں کہ حضرت علی نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو
کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ ناراض ہوئیں اور انہوں نے اس کے جواب میں بھلا برا کہا جب ان میں

ایک بات بھی نہیں ہوئی پھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

اور بھی بہت سے معاملات تعلیق ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قائم کئے گئے ہیں یہ روایات کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا سراسر غلط ہے اور ہم اس کی لغویت بدلایل اوپر بیان کر چکے ہیں۔

غور سے دیکھنا چاہیے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قائم کرنا۔ شرم کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نے اول مدعا میں کامیاب ہوئے دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں مسلمان منافق بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ ایسا غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا اور یہ ایسا بدیہی دروغ ہے جس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپ نے اتحاد کی رسی میں ہی سب مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علی ہوں یا حضرت فاروق اعظم حضرت بی بی فاطمہ ہوں یا حضرت عائشہ سب آپس میں متحد تھے اور ایک کو دوسرے سے ذرا بھی مخالفت نہ تھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابو بکر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت علی نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جب تک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی آپ بیعت کرنے پر رضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قائم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کے ساتھ تھا ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اسامہ کی ماتحتی میں شام مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی جب بدوؤں نے حملہ کیا تھا حضرت علی نے اس حملہ کو پسپا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور آخیر کل صحابہ نے ملکے اس سخت مہم کو سر کیا تھا۔ جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ کی پشت پناہی پر اپنی خلافت کے لئے موقع ڈھونڈا ہو آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمر ہی انجام دیتے تھے مگر حضرت علی کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ خلافت میں باغ فدک کا کوئی جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ حضرت صدیق سے لڑی ہوں۔ باغ فدک در اصل کوئی چیز ہی نہ تھا یہ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر سنی شیعوں نے بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کئے ہیں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جاگیر نہ تھی نہ خیبر میں نہ فدک میں اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ یا بکتر یا تلوار تھی بھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن

تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا۔ نہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل
کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے اگر آپ کے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی
کو دیکھئے بڑی سیر چشم خاتون تھیں اگر ان کو فرضاً کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انہیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں انہیں
ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے صاف فاقے گزر گئے ہیں اور چوتھے وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سائل
نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اس سائل کو دیدیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی مصیبت
زدہ نہ دیکھ سکتی تھیں۔ دنیا آپ کی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی آپ کو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی
ہیں۔ آپ نے کبھی حضرت صدیق اکبر سے یہ نہیں کہا کہ ابو بکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی
میراث نہ لینے دے۔ آپ صدرجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپ کی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی [illegible] کے علاوہ
نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائداد میں خلفاء نے تصرف کیا جبکہ خود ان کی حکومت وسیع حصہ زمین پر پھیل
گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو یا کوئی باغ ہو اور خیبر میں آپ نے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لیے [illegible]
کر لیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے۔ مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سے [illegible]
کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا اس میں آپ بھی شریک تھے
اور بس اور اس کے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی یا آپ کو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے
تھے حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا
آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی کھجور اور دودھ کبھی میسر آگیا تو گویا آپ نے بڑا ہی پر تکلف
کھانا کھا لیا۔ آپ نے بارہا کئی کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپ کے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے
جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور
آپ اس آمدنی کو خاص اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ کیا باغ فدک اور کس کی خیبر کی زمین اگر قیصر و کسریٰ کا ملک ہوتا تو
بھی بی بی فاطمہ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں وہ بھی تو آخر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں ان کی ایسی چھوٹی سی طبیعت
نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ
جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول خدا کی میراث لینے کا
اتنا غل نہیں ہے جتنا اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر میں چھپ کے
بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے حضرت علی کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اسطرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابو بکر کے پاس
لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئیں بی بی فاطمہ بھاگی ہوئی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک
گروہ میں جاری ہو گئیں اور اس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف ان کو اسلئے رواج دیا کہ صحابہ [illegible] اجمعین
پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے اگر حضرت علی کی جوتی [illegible] قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ
ہوتی ہو۔

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکتا۔ آپ جیسے
بہادر تھے اسی قدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گلے میں رسی بھی ڈلوا لیں پھر مدت تک نائب [illegible]
دیئے جائیں اور شیر و شکر ہو جائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو [illegible]
جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفائے راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہلبیت کے جانی دشمن
تھے دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں ان کا افسانہ و دھوکا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم کر لیا۔
اور پھر یہ روایتیں رواج پا گئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسی طرح حضرت عمر
کو بھی مدد دی اور آپ اُن کے مدار المہام بن گئے کیونکہ جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپ
اپنی جگہ خلافت کے فرائض انجام دینے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں
تو حضرت علی روکتے تھے اور بجائے دیتے تھے مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور حضرت
علی نے آپ کے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اس وقت بھی ویسے ہی
شیر بنے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ ڈور سے تنگ آ گئے
حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اٹھاتا، نہ سنبھل سکی اور آپ مروان
کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سا رنگ دیکھا تو پہلو تہی کی اس وقت نہیں کی جب تک کئی بار حضرت
عثمان کو نہ سمجھا لیا مگر وہاں کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے
اور ایسی ضعیفی کی حالت میں امور سلطنت کا چلانا سخت وقت تھا۔ بیشک نہیں بہت دھوکے دیئے گئے اور آپ
چونکہ معصوم نہ تھے دھوکے میں آ گئے۔ آپ کی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپ نے جو کام کیا اپنی طرف سے نہایت
نیک نیتی سے کیا۔ آپ نے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور اس لئے مجبوراً آپ نے
ضعفی کی حالت میں خلافت کا بوجھ اٹھایا یہ صحیح ہے کہ جو آپ کو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی
اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اٹھنا
شروع ہو گئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی ایسی شہادت جس پر
سے سنگ دل بھی افسوس کرے گا اور اس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپ نے [illegible] کام
کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ مگر آپ کو کیا معلوم تھا کہ آپ [illegible]
رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہوں گے۔

اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے تو آپ ضرور اس کا انتظام فرماتے آپ یہ کب
گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کی وجہ سے اسلام میں فساد پھیلے ہمیشہ جو کچھ فساد اٹھا کوفہ سے اٹھا۔ بڑی اطمینان سے خلافت
ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں کو عامل بنا کے بھیجتے ہیں اس لئے

انہیں خلیفہ نہیں ماننا چاہیے۔ سعید ابن العاص والیٔ کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوئی حضرت عثمان کے خلاف چرچا کر رہے ہیں اس نے فوراً حضرت عثمان کو اس امر کی اطلاع دی۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں کو امیر معاویہ کے پاس بھیج دو تاکہ امیر معاویہ ان کے شکوک رفع کر دیں۔ چنانچہ والئے کوفہ نے فوراً ان لوگوں کو معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ معاویہ نے ان کی بڑی خاطرداری کی اور سمجھایا کہ تم ایسی باتیں نہ کرو ان سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے نہیں کچھ تو اسلام کا بھی پاس و لحاظ کرنا چاہیے یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے اور ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈاڑھی پکڑ لی واہ رے تحمل اور بردباری کہ امیر معاویہ نے اف تک نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو ان کی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے لکھا کہ انہیں ہرگز سب و شتم نہ کیا جائے بلکہ انہیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیج دیا جائے۔ سعید ابن العاص نے انہیں بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور انہیں بتایا کہ تمہاری ان باتوں سے کوئی فساد ہو گیا تو اسلام میں خونریزی کے تم ذمہ دار ہو گے۔ یہ لوگ بظاہر تو کچھ دبے رہے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی ۳۴ ویں سال ہجری سعید خود حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ پھر وہ کس کو چاہتے ہیں کیا ہم سعید نے عرض کیا کہ وہ ابوموسےٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابوموسےٰ اشعری کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ اس سے زیادہ اور آپ کیا کر سکتے تھے آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض [illegible] رشتہ داروں سے خواہ سب ہی کو محبت ہوتی ہے مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے۔ کوفیوں کے کہنے سے ابوموسےٰ اشعری بھی حاکم ہو گئے پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ بند نہ ہوا [illegible] یہاں تک نوبت پہنچی کہ صحابہ میں سے چند صحابی آپ کے کھلم کھلا مخالف بن گئے۔ ان میں زید بن ثابت [illegible] سعدی کعب بن مالک اور حسان بن ثابت تھے۔ یہ صحابہ اس قدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتوے دینے پر مستعد ہو گئے۔ ہم ان صحابہ کی شان میں جو حضرت عثمان غنی سے مخالف ہو گئے تھے کوئی سوء ظنی نہیں کرتے بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں سے ان کے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلا تحقیق بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جو الزام مفسدوں نے حضرت عثمان پر لگائے وہ یہ تھے۔ اول حضرت عثمان نے حکم ابن العاص کو جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر نے اسے گھسنے نہ دیا مدینہ میں واپس بلا لیا۔ دوم آپ نے مروان بن الحکم کو پانچواں حصہ افریقیہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی دے دیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا چھین کے مروان کو دے دیا اور عمر بن عبد العزیز کے زمانے تک مروان کی اولاد اس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اسی زمانہ میں قائم ہوئے تھے اور ان الزاموں کا یہاں تک چرچا ہوا تھا کہ عبدالرحمٰن کندی نے چند اشعار بھی موزون کر دیئے تھے جن کا خلاصہ [illegible] ہے خدا کی کوئی امر [illegible] سب بے قاعدہ نہیں بنایا مگر تو نے (حضرت عثمان غنی کی خطاب) ہمارے لئے ایک فتنہ پیدا کیا ہے تاکہ اس میں ہماری اور تیری آزمائش کی جائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گزرے

وہ ہدایت کا ایک مینار بنا گئے تھے اور کبھی انہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا۔ نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گویا سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا لوگوں کے گلوں پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ بالا دیا غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بو آتی تھی چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تہلکہ عظیم برپا ہوا۔ اگرچہ مذکورہ بالا اعتراض محض لغو اور بےمعنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوں۔ پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہو گیا

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ بصرہ اور مصر سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے۔ مصری کہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ نہیں اور کوفی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ جب یہ ان لوگوں کے داخل ہونے کا پتا پایا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور ... کے ہمراہ نماز ... جب آپ خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولا ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی ان کے ساتھ شریک ہو گئے اور ... ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں بعض چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ بلکہ آپ کے ایک پتھر ایسا ... لگا کہ آپ بیہوش ہو کے منبر پر گر پڑے تھے۔ مدینہ کے لوگوں میں سے جنہوں نے ... مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ۔ حضرت عثمان جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں کو ... چلے جانے کی بابت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں آپ سیدنا حضرت عثمان غنی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان نے کہا میں فساد نہیں چاہتا جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے چنانچہ آپ نے کہا کہ اول تو مروان کو منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر دیجئے۔ حضرت عثمان نے کہا بدل منظور ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ تمہارے حسب منشا کام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت علی کے جاتے ہی مروان آیا اس نے کہا دیکھئے کیا غضب کیجئے گا آپ کے ... نہ ہو گا حضرت عثمان نے جواب دیا میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا اور علی سے وعدہ کر چکا ہوں اس ... سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سمجھایا لیکن حضرت عثمان نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو ... کر دیا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا ... کے ساتھ انصار ...

کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو انہوں نے ایک سانڈنی سوار آتا ہوا دیکھا اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ میں مصر کے حاکم کے پاس جاتا ہوں محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ حاکم تو یہ ہوگئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط دیکر بھیجا ہے یہ سنتے ہی محمد نے اسے گرفتار کرلیا جب اس کی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس حضرت عثمان کا مہری ایک خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے پاس پہنچے تم اسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد معہ اپنے ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کرکے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور برپا مچگیا۔ سب ملکے حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا آپ نے فرمایا کہ مہر بیشک میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے مگر مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ غرض آپ نے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کردی صحابہ کو یقین آگیا اور اب چونکہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان سے مانگا مگر آپ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی بھڑک اٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا جب حضرت عثمان کی جان کے لینے کے درپے پڑگئے اور حضرت علی نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے۔ اسیطرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پر پہرا پر مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا تینوں صاحبزادوں نے روکا یہاں تک کہ حضرت امام حسن تو اس قدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسی کو اندر نہیں گھسنے دیا۔ آخر یہ باغی دیواروں پر چڑھکے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان کے مکان میں آگھسے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے بھی تھے جوں ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمان کی طرف بڑھے آپ کے غلاموں نے مقابلہ کیا طرفین کے کچھ لوگ مقتول و مجروح ہوئے آخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انہوں نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہوکے فرمایا بیٹے۔ شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی بڑی توقیر کیا کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑکے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے پیارے جملے تھے جنہوں نے جادو کا سا اثر کیا محمد ڈاڑھی چھوڑکے پچھلے قدموں ہٹ گئے پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا ان کی انگلیاں اور داہنا ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا جس وقت شہید ہوئے ہیں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸۔ ذی حجہ ۳۵ھ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب بارہ سال تک خلافت کی آپ کی عمر شہادت کے وقت نوے سال کی تھی تین روز تک آپ مدفون نہیں کئے گئے۔ آخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کرکے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ آپ کے بارے میں کس قدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں ہم پہلے مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر نتیجہ

وہ ہدایت کا ایک مینار بنا گئے تھے اور کبھی انہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا۔ نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گویا سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا لوگوں کے گلوں پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا۔ غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بو آتی تھی چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا۔ اگرچہ مذکورہ بالا اعتراض محض لغو اور بے معنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہو گیا

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے۔ مصری تو چاہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بنیں اور کوفی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ جب جمعہ ان لوگوں کے داخل ہوئے پہلا آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولہ ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی ان کے ساتھ شریک ہو گئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں بمشکل چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپ کے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو کے ممبر پر گر پڑے تھے۔ مدینہ کے لوگوں میں سے جنہوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عثمان جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں کو وہیں چلے جانے کی بابت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے جب حضرت علی کرم وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں آپ سیدھے حضرت عثمان غنی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے چنانچہ آپ نے کہا کہ اول تو مروان کو میر منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر دیجئے حضرت عثمان نے کہا مجھے بدل منظور ہے یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ تمہارے حسب منشا کام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت علی کے جاتے ہی مروان آیا اس نے کہا دیکھئے ایسا غضب نہ کیجئے گا آپ کے حق میں بہتر نہ ہو گا۔ حضرت عثمان نے جواب دیا میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا اور علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سر پٹکا لیکن حضرت عثمان نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو معزول کر دیا۔ اور محمد حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ انصار و مہاجرین

کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو انہوں نے ایک سانڈنی سوار آتا ہوا دیکھا اس سے دریافت
کیا کہ تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ میں مصر کے حاکم کے پاس جاتا ہوں محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ
کرکے کہا کہ حاکم تو یہ ہوگئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ حاکم کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا ہے
یہ سنتے ہی محمد نے اسے گرفتار کر لیا جب اس کی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس حضرت عثمان کا مہری ایک
خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے پاس پہنچے تم اسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد معہ اپنے ہمراہیوں
کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کرکے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور و غوغا
مچ گیا۔ سب مل کے حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا آپ نے فرمایا کہ مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے
منشی کا ہے مگر مجھے اس کا علم نہیں ہے غرض آپ نے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کر دی صحابہ کو یقین
آگیا اور اب چونکہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان سے مانگا مگر آپ دینے پر
راضی نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی بھڑک اٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے
آپ کے مکان کو گھیر لیا جب حضرت عثمان کی جان کے لینے کے درپے ہو گئے اور حضرت علی نے اس خوف کو
زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر
نہ داخل ہونے پائے۔ اسی طرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پہ پہرا پر
مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا۔ تینوں صاحبزادوں نے روکا یہاں تک کہ حضرت امام حسن تو اس قدر زخمی
ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسی کو اندر نہیں گھسنے دیا۔ آخر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ
کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان کے مکان میں آ گئے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے بھی تھے
جوں ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمان کی طرف بڑھے آپ کے غلاموں نے مقابلہ کیا طرفین کے
کچھ لوگ مقتول و مجروح ہوئے آخر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انہوں نے حضرت عثمان کی داڑھی پکڑ لی۔ حضرت
عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا بیٹے شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس داڑھی کی تو توقیر کیا کرتا تھا اور آج تو اسے
پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے [illegible] جملے تھے جنہوں نے جادو کا سا اثر کیا محمد داڑھی چھوڑ کے پچھلے قدموں ہٹ گئے
پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا ان کی انگلیاں اور
ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا جس وقت شہید ہوئے ہیں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس دن
روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۵ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب بارہ سال
تک خلافت کی آپ کی عمر شہادت کے وقت نوے سال کی تھی تین روز تک آپ مدفون نہیں کیے گئے آخر
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ آپ کے بارے میں کس قدر
اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں ہم پہلے مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر اپنے

راے دیں گے ۔ یہ وہ واقعات ہیں جو یہاں تک مسلم ہیں اور انہیں کم و بیش سب نے تسلیم کیا ہے ۔ موخر کلام
یا یہ ہے کہ حضرت عثمان کے محصور ہونے کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کو نے
گئی ہوئی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے ۔ جس شخص نے آپ سے یہ روایت بیان
کی اس سے آپ نے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا اس نے جواب دیا علی مرتضیٰ یہ سنتے ہی آپ نے
فرمایا " انا للہ وانا الیہ راجعون " اس واقعہ کا حال مکہ کے رستہ میں سنا تھا آپ نے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں
مدینہ اب میرے رہنے کے قابل جگہ نہیں رہی ۔ اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان مظلوم شہید ہوئے
اور میں ضرور ان کے خون کا انتقام لوں گی ۔ اس پر عبید سلمان نے کہا تعجب ہے اے عائشہ پہلے تو تم یہ کہا کرتی
تھیں " اقتلوا نعثلا فانہ قد کفر " یہ ہے روایت جو بیان کی گئی ہے جس کا سر نہ پیر ۔ اول تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت
نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے ہی حضرت بی بی عائشہ نے یہ کہا ہو دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو
یہ خبر لگی ۔ آپ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے ۔ آپ کو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے یہ خبر دی تھی
اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی ان کی بھی خواہش تھی اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ
آپ کے بھی ساتھ تھا جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن بھی ہو چکے تو یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے
تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنئے ۔ حضرت علی نے خلیفہ بننے سے انکار کیا کیوں کہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی
کشش کو دیکھ چکے تھے آپ نے فرمایا مجھے ہرگز منظور نہیں ہے تم جسے چاہو خلیفہ بنا دو جب کوئی خلیفہ ہو
جائے گا میں اس کے ہاتھ پر بیعت [illegible] ں گا طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل
نہیں ہے آپ انکار نہ کیجیے اور بسم اللہ کیجیے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی بڑی گفت و
شنید کے بعد راضی ہو گئے اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں شل ہو
ہو گیا تھا جوں ہی حبیب ابن ذویب نے یہ سنا کہ شل ہاتھ سے طلحہ نے بیعت کی تو انہوں نے بے ساختہ کہا انا للہ و
انا الیہ راجعون " کیوں کہ اول جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ سے شل ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا نہیں
معلوم ہوتا یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بیعت کی ۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ حضرت علی
کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور آپ خلیفہ بن گئے مگر بڑی غلطی جو آپ نے
کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ کو سزائے موت دینی چاہی کیوں کہ انہوں نے
ایرانی شاہزادہ کو قتل کر دیا تھا حضرت عثمان کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا چوں کہ سوائے علی کرم اللہ
وجہہ کے یہ سب کی رائے تھی کہ اسے ضرور سزائے موت دینی چاہیے اور کل صحابہ معہ حضرت عثمان اس کے خلاف
تھے اس لئے عبداللہ چھوڑ دیے گئے تھے اس میں شک نہیں کہ حضرت علی حق پر تھے اور وہ اس [illegible]
رعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام نے قایم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی [illegible] چاہیے
تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنا چاہیے تھا ۔ بہرحال کچھ ہوا مخالفت کی بنیاد [illegible]

اور اس سے اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا۔ حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہرگز فساد نہ ہو سکتا تھا مگر ڈر یہ تھا مبادا زیادہ خونریزی ہو جائے اور مدینہ پر نئے سرے سے مصیبت آ پڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گھر ہی میں یہ فساد نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلوں سے انتقام لیتے مگر صرف قاتلوں کو گرفتار کرنا اور انہیں سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپ کے خیال میں کسی طرح بھی غلطی نہ تھی صد ہا آدمیوں کا خون ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور ہر صحابہ کا جوش بڑھا ہوا تھا اور یہ جوش بھی بیجا نہ تھا کیونکہ ضعیف العمر خلیفہ واقعی بے گناہ بہت ہی بیدردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مروان کا ہے پھر ان ہی کو پکڑا ہوتا بھلا حضرت عثمان نے کیا بگاڑا تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کر دیا ان سے زیادہ بزدل اور کون ہو گا جن کا ہاتھ نوّے برس کے بڈھے پر اٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے در پے کے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دیدیا کہ جب تک میں کافی طور پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کر لوں ہرگز عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو صد ہا صحابہ نا امید ہو گئے اور انہوں نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر انہوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کروا ڈالیں گے جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ سے ساری کیفیت بیان کی تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے کہا علی کا پہلا فرض یہی تھا کہ عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا ابھی طلحہ و زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبداللہ بن عامر بصرہ سے آگیا اور یعلی بن منیہ یمن سے اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور پھر باہم مشورے ہونے لگے حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آگئیں اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ ان کا منشا یہ تھا کہ انہیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اس قدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ وہ صرف حضرت عثمان کے لئے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے اور یہ جوش ان کا اسلامی تھا مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورے ہونے لگے اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں۔ بصرہ تک جانے میں [illegible] میں اور مورخین میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے ایک روایت تو یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ورغلایا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت کثرت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہوگی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ بصرہ کا بصرہ میرا معتقد ہے مگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بآسانی خون عثمان لے سکتے ہیں سکتے ہیں جب حضرت عائشہ کا ارادہ ہو گیا تو مکہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کمربستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے چنانچہ بہت سے [illegible] بصرہ ہو گئے تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ ام المومنین ام سلمہ [illegible]

آئیں اور ان سے مشورہ لیا کہ میں امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں حضرت بی بی ام سلمہ
نے سمجھایا یہ تم کیا غضب کرتی ہو حضرت علی کے مقابلہ میں آنا۔ بیکار ہوتی ہو۔ تمہیں وہ حدیث یاد ہے کہ جب رسول اللہ
نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں ایک بی بی ایسی ہوگی اور ایک اونٹ پر سوار ہو کے جدال و قتال کرے گی تو تمہیں
یہ سن کے خوف کے مارے گر پڑی تھیں … اس … نے رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا
کہ تم کیوں ڈرتی ہو فلاں بی بی ایسا کرے گی اشارہ تمہاری طرف … سو بچو اور اس آفت میں نہ پڑو علی کا مقابلہ کرنی
ہو یہ بات تمہارے لئے مناسب نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب تم ہی اسے امیرالمومنین کہتی ہو۔ یہ سن کے عائشہ
ڈر گئیں اور کہا کہ میں اپنا ارادہ عراق عرب جانے کا ترک کرتی ہوں اب کبھی نہ جاؤں گی ام سلمہ تم سچ کہتی ہو۔
جب حضرت عائشہ اپنے جانے کے قیام پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلو گی
تو میں دیوانہ وار جنگلوں میں نکل جاؤں گا اور پھر کبھی منہ نہ دکھاؤں گا۔ اور ساتھ ہی میں خودکشی کروں گا۔ زبیر حضرت بی بی
عائشہ کے بھانجے تھے اور آپ اپنے بھانجے سے محبت بھی بہت کرتی تھیں ناچار راضی ہو گئیں اور ام سلمہ کی نصیحت کا
کچھ بھی خیال نہ کیا۔ یہ روایتیں ہیں جو … بیان کی جاتی ہیں کجا حضرت رسول کریم کی حدیث اور کجا ام سلمہ کا اس حدیث
کو بھول جانا یہ سب بے بنیاد اور بناوٹی ہوئی باتیں ہیں جنہیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ حضرت جانتے بھی تھے
کہ عائشہ باغی ہوں گی اور پھر موافقت بھی … رکھتے جاتے تھے۔ نہ اس وقت ام سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے
نہ حضرت بی بی عائشہ کا ان سے مشورہ لینے کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم
مدینہ میں گئیں تو علی اچھا سلوک نہیں کرتے کے ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے۔ آپ چونکہ خاتون تھیں …
گئیں اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپ نے کبھی حضرت عثمان کو کافر کہا نہ آپ کو امور سلطنت میں دخل
دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ آپ نے حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر دقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان
کو ایک دن بھی خلافت کیوں نصیب ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں
پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی بھی … حضرت عثمان … کہتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اس کا اثر ہوتا اور سب برسر
… ہوئے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی پرواہ نہ کی تو حضرت
عثمان سے پھر کیا ہوتا بہت بڑی بات نہ تھی عقل نہیں ہو سکتا کہ ایک ام المومنین مدینہ ہی میں رہتے اور خلیفہ
وقت کی نسبت کفر کا فتویٰ دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے۔ نہ حضرت عثمان اپنی بریت کریں اور
نہ مسلمان کچھ چون و چرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیالی … اور عقل کے خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی واقعات
پر غور کی ہے ہرگز ان کی صداقت کی شہادت نہیں دے گا۔

یہ ساری باتیں … ہیں صرف اسی قدر ہے کہ آپ بصرہ تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت علی سے
جنگ ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ بصرہ میں پہنچیں تو … بصرہ … جس
حنیف … شکست کھائی اور قید کر لیا گیا اس کی ڈاڑھی منڈوانے اور مونچھیں اکھڑوانے کا قصہ گھڑا ہوا ہے

جب حضرت علی کرم وجہہ نے سنا آپ ایک فوج [illegible] حضرت علی کی فوج [illegible] محمد ابن حنیفہ تھا۔ لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین [illegible] محمد بن ابی بکر صدیق یعنی حضرت بی بی عائشہ کے بھائی تھے۔ کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپ کے [illegible] مقام خریبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھ سے [illegible] چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تم کو یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں موقعہ رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھ سے لڑنے آئے ہو حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادہ جنگ ملتوی کر دیا۔ جب و[illegible] لشکرگاہ میں واپس گئے آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اس کا کفارہ دیدو چنانچہ آپ [illegible] کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کر دیا۔ آخر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی جس اونٹ پر آپ سوار تھیں اس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے شکست ہو جانے کے بعد [illegible] بھائی کو آپ کے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبداللہ بن [illegible] مارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کو ساتھ کر کے مدینہ پہنچا دیا۔ اس جنگ میں طلحہ اور زبیر بھی کام آئے جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بےساختہ رونے لگے اور ان کے جنازہ کی خود نماز پڑھا کے انہیں دفن کر دیا۔ یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل کی اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس نے یہاں تک طول کھینچا حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہ کرتے تھے اور جو لوگ بھی متامل کو ناواجب سمجھتے تھے وہ آمادہ پرخاش ہو گئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزار اعلیٰ صحابہ بلا وجہ شہید ہو [illegible] کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلما[illegible] نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں کو ہوئی [illegible] تدبیری کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت [illegible] مذہبی جامہ پہنا یا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان [illegible] حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے [illegible] ہے۔ مخالفت کی اس میں کوئی بات بھی تو نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت علی خود اس [illegible] کبھی ان کو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرماتے ہیں دشمن کے جنازہ کی نماز پڑھا کے آپ [illegible] مذہبی لڑائی نہ تھی ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مر چکا ہو اس کے لئے دعائے خیر [illegible] جاہئے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں [illegible] کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اس سے غیر معمولی رعایتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور [illegible] اسے دینے میں تامل ہوتا ہے اسلئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں کامیاب ہو گئے وہ حقوق [illegible] لئے ناکام ہو گئے

[illegible] حالت پہ آ گئے اور بس۔ اور بی بی عائشہ [illegible] شامل ہے اگرچہ ہم انہیں ہرگز باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہو جاتیں تو لیتیں ناکام رہیں تو اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا۔

[illegible] حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوانح عمری نہایت [illegible] تمام کے طور پر بیان کئے گئے۔ آپ کے [illegible] زندگی میں کوئی ایسی نئی بات نہیں ہے کہ جو عجیب ہو [illegible] ساتھ ہی آپ کے شایاں بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی [illegible] تھی کہ حضرت علی قدرت ہونے [illegible] حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑ سکتے اور حضرت علی نے ان کے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی [illegible] سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک [illegible] خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور آخر آپ کی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضائع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد اور قتل و غارت سے مسلمان عاجز آ گئے تھے اخیر امیر معاویہ، عمرو بن العاص اور حضرت علی کو قتل کر ڈالنا چاہا تاکہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے [illegible] کر دیئے گئے حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ زیادہ [illegible] ہیں۔

حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں پہلے آپ کا نکاح خنیس ابن حذافہ سے ہوا تھا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی اور جن کی وفات غزوہ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ آپ کی ولادت ۱۸۔ قبل ہجری میں ہوئی تھی جب آپ کا نکاح [illegible] کے ساتھ ہوا ہے آپ کی عمر ۲۱ سال تھی اور آنحضرت کی عمر اس وقت پورے ۵۵ سال کی تھی ۴۵ھ میں [illegible] وفات ہوئی ہے۔ آپ کے نکاح کی نسبت بھی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ہم مختصر بیان [illegible] کے خاوند کا انتقال ہو چکا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمدن عرب کے بموجب پہلے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں کیا آپ منظور کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر حضرت ابو بکر سے یہی درخواست کی گئی انہوں نے بھی انکار کیا۔ اخیر حضور کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کر دی حضور انور نے حضرت عمر کو شکستہ خاطر دیکھ [illegible] خود اپنی رضامندی درخواست کرنے پر ظاہر فرمائی یہ دیکھ کے حضرت عمر بہت ہی خوش ہوئے اور [illegible] ہو گیا تھا [illegible] تو واقعات قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں مگر آگے چل کے روایتوں میں عجیب رنگ آمیزی ہو گئی [illegible] صرف عقل ہی کے خلاف ہے بلکہ ان روایتوں کی سند کہیں سے نہیں ملتی منجملہ ان کے ایک روایت یہ [illegible] جب حضرت [illegible] صدیق اکبر نے انکار کیا تو حضرت عمر بہت ہی ناراض ہوئے اور خاموش چلے آئے مگر جب آنحضرت [illegible] سے نکاح ہو گیا تو آپ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس گئے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا عمر تم جانتے ہو [illegible] انکار کر دیا تھا اور میرے انکار سے تم ناراض بھی ہو گئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا وجہ انکار سمجھا نہیں

معلوم ہاں ناراض تو میں بیشک ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت نے مجھے ذکر کیا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہی وجہ میرے انکار کی تھی اور اس وقت میں نے نبی کا بھید کھونا نہ چاہا تھا۔ اس روایت کو بعض عیسائیوں نے بہت ہی رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ آنحضرت نے بی بی حفصہ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو یہ نہ کوئی بھید تھا اور نہ کوئی عیب اس کا چھپانا نہیں سمجھ میں آتا اور پھر حضرت ابوبکر سے اس کے ذکر کرنے کے کیا معنی تھے اگر رسول اللہ فرماتے تو حضرت عمر سے فرماتے اور وہ بہت خوشی سے قبول کر لیتے کیونکہ اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا کہ رسول کریم کے حسن نہیں۔ یہ اور ان جیسی ساری روایتیں محض بے بنیاد ہیں جنہیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت نے بی بی حفصہ کو طلاق دیدی مگر جب حضرت عمر ناراض ہوئے تو خدا کی طرف سے دوبارہ نکاح کرنے کی وحی اتر آئی اور اس کے بعد آپ نے بی بی حفصہ کو اپنے گھر بلا لیا۔ یہ باتیں مہمل اور خلاف قیاس ہیں۔ حدیث کی کسی مستند کتاب میں طلاق دینے کا بالکل ذکر نہیں ہے ہاں ابن ماجہ میں ضرور طلاق کا ذکر ہوا ہے اور اس حدیث کا راوی سلمہ بن کہیل ایک شیعی مذہب کا شخص ہے جس کی روایت پر جو حضرت بی بی حفصہ کی نسبت ہو ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا نہ کوئی وحی اتری جس نے طلاق کے بعد دوسرا نکاح جائز کر دیا ہو۔ آپ کے بعض نامور واقعات کا بیان چونکہ حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی میں آ گیا ہے اسلئے دوبارہ مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سے بھی چند احادیث کا پتہ چلتا ہے کہتے ہیں آپ کی روایت سے صرف ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

آپ زمانہ جاہلیت میں اپنی فیاضی اور غربا پروری میں ام المساکین مشہور تھیں آپ قبیلہ بنو ہلال میں سے ہیں آپکے والد کا نام خزیمہ بن حرث اور والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا پہلے آپ کی شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی تھی۔ جنکے انتقال کے بعد ۳ ہجری کو آپ نے رسول مقبول سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال کی تھی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۵ سال کی۔ صرف آٹھ مہینے آپ رسول کریم کے گھر میں رہیں اور ۴ ہجری میں وفات پا گئیں۔ آپ کی عمر بوقت وفات ۳۰ سال کی تھی اور آپ کی پیدائش ۲۶ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۲۸ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ آپ کا اصلی نام ہند تھا اور آپ کی والدہ کا نام عاتکہ تھا آپ قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں یہ وہ عاتکہ نہیں ہیں جو عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت کی پھوپھی ہوں۔ آپ کے والد کا نام ابو امیہ تھا اور انہیں حذیفہ بھی کہا کرتے تھے آپ عرب کے مشہور سواروں میں مشہور تھے۔

حضرت اُم سلمہ کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھا آپ اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوکے حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ وہاں آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کا نام زینب رکھا اس کے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام دُرّہ رکھا۔ ان کے علاوہ دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی پیدا ہوئے۔ ابو سلمہ نے جب سنہ ۴ ہجری میں وفات پائی تو حضرت اُم سلمہ کا نکاح حضرت رسول خدا سے ہوگیا۔ آپ کی عمر ۲۶ سال کی اور آنحضرت کی عمر ۵۶ سال کی تھی آپ نے ۸۴ سال کی عمر میں سنہ ۶۲ ہجری میں وفات پائی۔ آپ پر بہت نکتہ چینیاں کی گئی ہیں وہ اگرچہ سب بیہودہ اور بیکار ہیں پھر بھی ہم اُن میں سے ایک بڑی نکتہ چینی نقل کرتے ہیں جس پر معترض بہت ہی اُچھلتے کودتے ہیں اور وہ نکتہ چینی یہ ہے کہ جب حضرت اُم سلمہ کے خاوند کا انتقال ہوگیا تو آپ رسول اللہ کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں شب و روز پڑھا کروں آپ نے اُنہیں یہ دعا بتائی "اللھم اغفرلی ولہ واعقبنی منہ عقبا حسنۃ" اے اللہ مجھے اور میرے شوہر کو بخشدے اور اس کے بعد مجھے اچھا خاوند ملا۔ جب عدت کے دن پورے ہوگئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے باری باری سے درخواست کی مگر اُم سلمہ نے منظور نہ کی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درخواست کی تو آپ نے کہا واہ رسول خدا آپ نے خوب درخواست کی۔ میں بڑی عمر کی ہوں اور میرے یتیم بچے ہیں اور مجھے نکاح کرنے سے بھی شرم آتی ہے اس کے سوا تیرے پاس تو بہت سی عورتیں موجود ہیں نہ میرے رشتہ داروں میں کوئی موجود ہے جو میرا نکاح تیرے ساتھ کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری عمر تجھ سے زیادہ ہے تو یتیموں کا کیوں فکر کرتی ہے خدا اور رسول اُن کی پرورش کریں گے اور شرم کی بابت جو تو نے کہی سو میں دعا کرونگا اور خدا تیری شرم کو کھو دے گا اور تو جو اپنے کسی رشتہ دار ہونے کی بابت کہتی ہے تو یہ سمجھ لے کہ اگر تیرا کوئی رشتہ دار بھی ہوگا جب بھی میرے ساتھ نکاح ہونے پر ناراض نہ ہوگا "کیونکہ" یہ ہے روایت جسے عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس سے آنحضرت کی نفس پرستی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی سرتاپا غلط ہے۔ حضرت بی بی اُم سلمہ کا قول خود اپنے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ پہلے جملوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نکاح کی درخواست سخت ناگوار معلوم ہوئی پھر آپ نے نامنظوری ظاہر کی اور بعد ازاں راضی ہوگئیں۔ عجیب متضاد بیان ہے جو مطلق نہیں سمجھ میں آتا۔ دوسرے یہ روایت کہ وہ رسول مقبول کے پاس گئیں کہ مجھے کچھ پڑھنے کی تعلیم کریں تو آپ نے قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بتائی حالانکہ آپ کا شیوہ یہی تھا کہ آپ ہر شخص کو قرآن مجید کی تعلیم کیا کرتے تھے کبھی آپ نے غیر قرآن مجید کسی وظیفہ کے پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا۔ وہاں جادو ٹونا ہو کی نہ تھی بلکہ توحید کی تعلیم تھی اور بس۔ اور اگر فرض کریں کہ حضرت بی بی سلمہ عدت ختم ہونے سے پہلے ہی دریافت کرنے چلی گئیں اور آنحضرت نے یہ دعا بتا دی بھی ہو تو خبر نہیں کیا قباحت لازم آتی ہے۔ لڑکیوں اور جوان عورتوں کو ہمیشہ نیک خاوند ملنے کی دعا مانگنی چاہیے عورت کے لئے اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ خاوند نیک ہو۔ خاوند اگر نیک ہے تو اسے جنت ہی نہیں بلکہ سلطنت ہے اور اگر بد ہے تو اس کے لئے دنیا ہی میں دوزخ ہے۔ فی الحقیقت جس چیز پر عورت کی زندگی کا دار و مدار ہو اس کے نیک ہونے کی ضرور دعا مانگے۔ بنا اپنی شرم اور رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بابت کہنا تقاضا سے

خلافت اور تمدن سے بہر گز دستور سے عرب تک دولہ دلہن کے رشتہ قدر یا وطن میں نہیں بیٹھتے نکاح نہیں ہوتا اسی بنا پر
بی بی ام سلمہ نے اپنے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا۔ غرض اسی قسم کے کچھ بقیہ بیچ اعتراض کچھ وقعت نہیں رکھتے اسلئے ہم ان کو
زیادہ بحث بھی نہیں کرنا چاہتے اور دوسری اُم المومنین کا ذکر لکھتے ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۳۳ قبل ہجری میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام جحش تھا اور آپ کی والدہ کا نام امیمہ تھا اور امیمہ عبد المطلب
کی بیٹی اور آنحضرت صلے اللہ کی پھوپھی تھیں۔ پہلی دفعہ اُن کا نکاح ۳ ہجری کے شروع میں زید بن حارثہ سے ہوا۔
۵ ہجری میں زید نے انہیں طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونے کے بعد آنحضرت نے ان سے نکاح کرلیا۔
اس وقت بی بی زینب کی عمر ۳۵ سال کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۸ سال کی تھی ۵۰ سال یعنی وصال کے وقت
تک آپ پیغمبر خدا کی زوجیت میں رہیں اور حضور انور کے وصال کے بعد انتقال کیا۔

بی بی زینب کے خسر کا نام شرحبیل اور ساس کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جو قبیلہ بنی [illegible] میں سے تھیں
ایام جاہلیت میں جب سعدیٰ اپنے بیٹے زید کو لے کے جس کی عمر ۸ سال کی تھی کہیں سفر کر رہی تھیں تو [illegible] میں بنو قین
نے ان پر حملہ کیا اور زید کو پکڑ کے عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے حکیم بن حزام نے چار سو درہم کو خرید کے اپنی پھوپھی
خدیجہ بنت خویلد کو دیدیا۔ حضرت بی بی خدیجہ نے زید کو حضور انور کی خدمت میں پیش کیا آپ نے [illegible] آزاد کردیا۔
اتفاقاً زید کے باپ اور چچا مکہ میں آئے اور زید کو پہچان لیا اور چاہا کہ فدیہ دے کے زید کو اپنے ساتھ لیجائیں مگر زید نے
جانے سے انکار کردیا۔ اور حضور انور ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا اس وقت رسول خدا نے عرب کی رسم کے مطابق
زید کو اپنا متبنے بنالیا۔

حضور انور نے پہلے زید کا نکاح اُم ایمن سے کردیا جس سے زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام اُسامہ رکھا گیا
پھر اُم ایمن کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینب بنت جحش سے کردیا۔ زینب ایک عالی
خاندان بی بی تھیں اور آپ اپنی قدیم رسم و رواج اور خاندانی تکبر و نخوت کی بنا پر ہرگز ایک غلام سے خواہ وہ حضور انور
کا متبنے ہی کیوں نہ ہو نکاح کرنا نہ چاہتی تھیں مگر آنحضرت کو اس پر اصرار تھا اور اصرار کی یہ حکمت تھی کہ عرب میں سے وہ
مغایرت اُٹھ جائے جو آزاد اور غلام میں پائی جاتی ہے کیونکہ غلام ہونا درحقیقت کوئی قدرتی عیب نہیں ہے بڑے
بڑے آزاد شاہ اور ایک وسیع سلطنت کے مطلق العنان حکمراں جنگ میں قید ہوکر ایک ہی گھڑی میں غلام بنالئے گئے
ہیں اور سوائے اس کے انہیں چارہ نہیں ہوا ہے کسی شخص کو جو حسب اور نسب میں نجیب ہو پکڑ کے دوسری
جگہ فروخت کردینے کا نام غلامی ہے۔ عرب ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ روما الکبریٰ اور سلطنت مشرقی میں بھی غلاموں
کی بہت ہی بری کیفیت تھی۔ ہندوستان میں اس سے زیادہ خوفناک مظالم غلاموں کی بے گناہ جان پر توڑے جاتے
تھے ان سے شادی بیاہ کرنا تو کجا شل جانوروں کے برتاؤ کیے جاتے تھے اُن کی جانیں ایک جانور کی جان سے زیادہ

قیمتی تھیں۔ غرض انسان کی اس شرمناک حالت کو کھونے کے لئے آپ نے پہلے تو اسے اپنا متبنّٰی بنایا اور پھر ایک اعلٰی درجہ کی شریف زادی سے اس کا نکاح کر دیا۔ مگر بی بی زینب اپنی عالی خاندانی کی وجہ سے اور اس قدیمی نخوت کی حیثیت سے جو اس کے خاندان میں ملی ہوئی تھی زید سے نکاح کرنا نہ چاہتی تھیں مگر جب کہ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا تھا کہ خدا اور رسول کے فیصلہ سے جو دل تنگ ہو وہ مسلمان نہیں ہے اور بی بی زینب چونکہ بلیب خاطر مسلمان ہو گئی تھیں اسلئے مجبوراً انہوں نے رضامندی ظاہر کی اور زید سے اُن کا نکاح ہو گیا۔

تعمیل حکم کے بعد پھر اُسی قدیمی خون کے اثر نے اپنا رنگ دکھایا اور آپ اپنے خاوند کو بُری نظروں سے دیکھنے لگیں۔ خاوند بی بی کی نااتفاقی طرفین کے لئے دنیا ہی میں دوزخ بنجاتی ہے زید اپنی معزز بی بی کی اکھیڑ پچھاڑ سے تنگ ہو ہو کے حضور انور سے شکایتیں کیا کرتا تھا کہ میری جان ضیق میں ہے میں تنگ آگیا ہوں اور دم ناک میں ہے آپ ہی ارشاد کرتے تھے کہ تو آشتی کرے اور کبھی طلاق دینے کا نام نہ لیجو ساتھ ہی آپ زینب کو بھی ملے رہنے کو جتاتے اور دونوں کو صلح کی طرف مائل کرتے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ آپ زینب کے اس اثر کو کھو سکتے جو بطور ورثہ پشت بہ پشت سے اُسے پہنچا تھا اور ایسا اثر بغیر کئی پشتیں گزر جانے کے بعد بھی کسی طرح سے زائل نہیں ہو سکتا تھا جب پانی سر سے گزر گیا اور زید کی زندگی محال ہو گئی تو ناچار زید نے طلاق دیدی اور عدت کے ختم ہونے کے بعد رسول کریم نے اس سے نکاح کر لیا۔

یہی کیفیت تو زینب کے نکاح کی ہے جو ہم نے بیان کی۔ قرآن سے اس کا ثبوت ہے۔ حدیثیں اس کی شاہد ہیں اور تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے۔ مگر بعض مفسروں کی غلط فہمی سے حضور انور کی اطہر و اقدس ذات پر جو جو نکتہ چینیاں ہوئی ہیں وہ واقعات ہی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ سخت شرمناک ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ معترض کیوں ایسا اندھا ہو کے اعتراض کرتا ہے اور نکتہ چینی کرتے وقت کیوں شائستگی اور تہذیب کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ ہم اس نکاح کی فطرت پر ایک بسیط بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ نکاح جو محض قانون قدرت اور اعلٰی درجہ کے تمدن کی بنیاد پر ہوا کسی طرح بھی نکتہ چینی کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پہلا اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ حضور انور نے اپنی بہو یعنی اپنے متبنّٰی بیٹے کی بی بی سے نکاح کیا اور ایسا فعل ایک نبی کی شان سے کس قدر مستبعد ہے۔ معمولی توجہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ بہو کی حالت یا بیٹے کی بی بی ہونے کی حالت اُسی وقت تک قایم رہ سکتی ہے جب تک بیٹے کا تعلق ہو اور انقطاع ہو چکا ہو اور طلاق کی قینچی نے مناکحت کے رشتہ کو کاٹ دیا ہو تو پھر اُس عورت پر بہو کا اطلاق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ اب وہ بالکل آزاد عورت ہے اور ہر شخص سے باستثنائے بعض رشتہ داروں کے نکاح کر سکتی ہے اور یہ نکاح اُس کا ہر طرح جائز ہو گا۔ عرب میں اگرچہ یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے اور منہ بولی بہن صلبی بیٹوں اور سگی بہنوں کے برابر خیال کی جاتی تھیں مگر یہ اُن کی سخت حماقت اور غلطی تھی کوئی غیر عورت کبھی زبانی بہن بننے سے کسی قانون میں بھی اس وقت تک بہن نہیں ہو سکتی یا کوئی متبنّٰی تا قیامت تک صلبی بیٹے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے متبنّٰی بیٹے کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے اور کچھ اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دیگر قوموں میں بھی صلبی بیٹوں کے مقابلہ میں متبنّٰی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہنود کے قانون

اگر کسی شخص کے ہاں متبنیٰ [illegible] کے گھر بیٹا پیدا ہو تو وہ بھی ضرور باپ کی جائداد کا حصہ دار بنے گا۔ مگر اسلام نے ان رشتوں کو زیادہ وقعت سے کبھی نہیں دیکھا۔ سمجھ میں آسکتا ہے جب زینب سے زید کا تعلق قطع ہو چکا ہو پھر وہ حضور انور کی بہو کیوں کر رہی۔ یہ ایک عجیب بے معنی اعتراض ہے جو کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول خدا کی خواہش یہ تھی کہ زید کسی طرح سے طلاق دیدے تو میں اس سے نکاح کروں اسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اور بعض مفسروں نے اس کو خوب رنگا میزی کرکے اور بعض فرضی روایتوں کی بنا پر اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اسی لئے عیسائیوں کو نبی معصوم کی ذات پر حملے کرنے کا موقع ملا ہے حالانکہ جو فرضی روایتیں کہ بعض مفسروں نے تراشی ہیں اُن کو قرآن مجید کے سیاق کلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے آنحضرت کا آسمان پر جبرئیل فرشتہ کی گواہی پر نکاح ہونا اور آپ کا زینب کو برہنہ دیکھ لینا اور اس پر عاشق ہو جانا یہ سب چڑیا چڑے کی کہانیاں ہیں جنہیں واقعات سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہسکتا کہ عورت خواہ کیسی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو کبھی برہنگی کی حالت میں وہ خوشنما ہو سکتی ہے۔ عورت کی خوبصورتی لباس پر موقوف ہے اور لباس ہی اُس میں صدہا خوبیاں پیدا کرکے [illegible] اصلی عیبوں کو بھی ایک حد تک چھپا دیتا ہے۔ پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زینب میں برہنگی کی حالت میں کیوں کر اتنا حسن پیدا ہو گیا اور نبی معصوم جنہوں نے اسے پرورش کیا تھا اور آپ ہی کی آنکھوں کے سامنے وہ سن بلوغت کو پہنچی تھی فریفتہ ہو گئے۔ نا ممکن نہیں تو محال عقل ضرور ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے اور قرآن مجید کی آیت [illegible] بعض الفاظ سے مفسروں نے عجیب عجیب معنی تراشے ہیں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی پوری آیت یہ ہے۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا۔ ما کان علی النبی حرج فیما فرض اللہ لہ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔ یعنی اے پیغمبر تم اس بات کو یاد کرو کہ تم اس شخص کو (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا کہ اسکو اسلام کی توفیق دی اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اس کو چھوڑنے کا نام نہ لے) اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو آخر اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زید اس عورت سے تعلق قطع کر چکا (یعنی طلاق دیدی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی) کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا کہ اب مسلمانوں کے لئے جب لے پالک اپنی بیبیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسیطرح کی تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے اللہ نے پیغمبر کے لئے جو بات ٹھہرا دی ہو اس کے کرنے کیلئے کچھ مضائقہ نہیں [illegible] پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں اُن میں بھی یہی عادت الٰہی رہی ہے کہ اُن پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی اور خدا کے جتنے کام ہیں ایک امر تقدیری ہیں جو روز ازل سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اس آیت سے قرآن مجید کی تفسیر سے برہنہ دیکھنے اور عاشق ہو جانے کا واقعہ ثابت ہوتا ہے [illegible] عشق زینب

دل میں چھپانے کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے ایسے سادے بیان کو فرضی روایات کی بنا پر بعض بیہودہ نتائج پیدا کرنا صریح نادانی اور جہالت ہے۔ ایک مفسر نہیں اگر لاکھ مفسر کہیں کیوں نہ کہیں وہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور اُن کی اس ذاتی رائے سے رسول مقبول کی ذات اقدس واعلیٰ پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی نہ کوئی الزام آسکتا ہے۔ اس آیت میں صرف دو جملے ہیں جن پر بعض مفسرین کو بہت کچھ فرضی باتوں کے بنانے کا موقع ملا ہے اول تو تخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ، یعنی جس بات کو دل میں چھپاتا تھا خدا اُسکو ظاہر کرنے والا تھا اور پھر فرمایا کہ تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ، یعنی تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے تھا دوسرا جملہ یہ ہے فلما قضی زید منہ وطرا وکان امر اللہ مفعولا، یعنی جب زید نے اُس سے اپنی حاجت پوری کرلی یعنی جب زید اسے طلاق دے چکا اور عدت کے دن پورے ہو گئے تو ہم نے اُس کو تیری زوجیت میں دیا یا تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک بیٹوں کی جوروں کے ساتھ نکاح کرنے میں تردد نہو جبکہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کرلیں خدا کا حکم تو شدنی ہے۔ دل میں کیا بات چھپی ہوئی تھی وہ ظاہر ہو گئی یعنی متبنیٰ بیٹے کی بیبی سے آنحضرت نے نکاح کرلیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ کو بحیثیت انسان ہونے اور مصلح ہونے کے ضرور اس بات کا اندیشہ تھا کہ عرب میں جبکہ مضبوطی سے یہ رسم جاری ہے کہ لے پالک کی بی بی کو بمنزلہ لڑکی کے سمجھا جاتا ہو تو ضرور لوگ اعتراض کرینگے اور کہیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے یہ فعل کرتا ہے جسے وہ اپنی دانست میں سخت معیوب خیال کرتے تھے ایسی بدگمانیوں کا آپ نے ہمیشہ خیال کیا ہے اور آپ نے اپنا پہلو اس قسم کی بے بنیاد بدگمانیوں سے ہمیشہ بچایا ہے مثلاً صحیح حدیث ہے کہ کعبہ کی عمارت کو دوسری صورت میں کرنا چاہتے تھے اور آپ نے حضرت بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ کعبہ اس صورت سے تعمیر ہو مگر مجھے مسلمانوں کا خیال ہے مبادا وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ نبی ہو کے کعبہ کو ڈھاتا ہے اس وجہ سے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کعبہ کی تعمیر شروع کردوں اسی طرح زینب کے معاملہ میں آپ کو خیال تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور انہیں اپنی صدہا سال کی رسم کے خلاف یہ بات کیسی کھٹکیگی۔ آپ دل میں یہ خیال کرتے تھے اور خوف کھاتے تھے جس طرح ایک مصلح مخلوق میں کوئی نئی بات ظاہر کرنے سے خوفزدہ ہوا کرتا ہی مگر خداوند تعالےٰ نے صاف الفاظ میں نبوت اور اولوالعزمی اور سچے مصلح ہونے کی شان بتادی کہ لوگوں سے خوف کھانا ہیچ ہے خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے جس چیز کا بعد ازاں اظہار ہونیوالا تھا وہ ہوگیا یعنی آپکا نکاح ہو گیا۔

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کیوں خوف محسوس ہوا اس کی وجہ کیا تھی ظاہر ہے کہ آپ نے نکاح کرنے کا ارادہ پہلے ہی سے کرلیا تھا جب ہی تو خوف بھی محسوس ہوا کہ لوگ کیا کہیں گے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ آپ اصل میں اس زبون ترین رسم کو توڑنا چاہتے تھے جو عربوں میں خون کی طرح ملی ہوئی تھی اور جب تک آپ کوئی عملی کارروائی کرکے نہ دکھاتے ہرگز اس کا اثر نہ پڑتا اور لوگ ایسی قدیم رسم کو جس کو وہ انتہا درجہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب سمجھے ہوئے تھے کبھی نہ چھوڑتے۔ خیال تو آپ کے دل میں یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور کرنا چاہیئے یہ خیال روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا آخر وہ موقع خوش قسمتی سے آگیا اب آپ کو ایسا کرنے میں تردد ہوا اور آپ نے اس ارادہ کو اپنے دل میں صرف اسی بنا پر چھپالیا مبادا لوگ چونکیں اور بجائے اصلاح کے اُن میں پریشانی پیدا ہو جائے بس اس بات کو چھپا رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے بذریعہ

کہ ... تمہیں اس بات کا ... اندیشہ کی بات نہیں تجھے لوگوں سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرنا چاہئے تھا پھر فرمایا ہے کہ تیرے ساتھ ... اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ہی کو منظور ہے کہ لے پالک بیٹوں کی بیبیوں سے نکاح جائز ہے ہم ... ثابت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ہر شے کے ہونے یا نہ ہونے کی نسبت اپنے ساتھ کیا کرتا ہے ... شامل ہو جاتی ہے۔ اس نسبت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ خداوند تعالیٰ ہر فعل کا حقیقی فاعل ہے بلکہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا تصرف سب جگہ ہے ... کہ ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم نے بالکل ہماری مرضی کے مطابق کیا ہے ... لوگوں سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس کام میں ہماری مرضی شامل نہیں ہے اس میں ہر شخص سے خوف کھانا چاہئے اور جب ہماری مرضی شامل ہو گئی پھر خوف کھانے کی کیا بات ہے۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں جس پر بعض مفسروں اور مخالفوں نے ایک طوفان بے تمیزی مچا رکھا ہے اور وہ وہ حاشیے چڑھائے گئے ہیں کہ العظمۃ للہ بعض مفسروں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ خداوند تعالیٰ خود بیٹھا جبرئیل و میکائیل گواہ بنے اور خداوند تعالیٰ نے اپنی زبان مبارک سے دولہا دلہن سے ایجاب و قبول کی رسم ادا کرائی۔ یہ ساری باتیں ... نہ قرآن سے ثابت نہ صحیح حدیث سے نہ عقل اس کی شاہد۔ اسی زینب کے معاملہ کو جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں اس قدر طول دیا گیا ہے اور مخالفین اسلام نے وہ وہ کتابیں شایع کی ہیں کہ خدا یاد آتا ہے۔ معاملہ کچھ بھی نہیں ہے صرف منشائے باری یہ تھا کہ یہ شنیع رسم عرب ہی سے نہیں بلکہ دنیا سے اکھڑ کے پھک جائے اس کام کے لئے اس نے اپنے معصوم نبی کو چن لیا اور عملی صورت میں کرا کے دکھا دیا تاکہ پھر چون و چرا کی گنجایش ہی نہ رہے۔ بہتیرا سوچا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ زینب کے نکاح پر جس قدر شور و غوغا مچا ہوا ہے کیا اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام نے غیر معتبر کتابوں کے حوالہ سے بڑے ہی بازاری اور خلاف تہذیب اعتراض اس پہلو سے کئے ہیں اور اپنے خیالات میں گویا انہوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ کوئی معترض کسی تفسیر کا حوالہ دیتا ہے اور کوئی کسی غیر معتبر فارسی کی کتاب کا مثلاً ایک عیسائی نے روضۃ الاحباب میں سے یہ عبارت نقل کی ہے "چوں از خدائے تعالیٰ معلوم کردہ بود کہ زینب داخل زوجات وے خواہد بود خاطر مبارکش میخواست کہ زید وے را طلاق دہد ولیکن شرم میداشت کہ اورا امر کند بطلاق زینب و نیز ازاں مے اندیشید کہ مردم گویند کہ زن پسر خواندہ خود میخواہد حال آنکہ در جاہلیت زن کسی کہ منسوب بہ پسرے میکردند حرام مے دانستند ہمچو زن پسرے صلبی خود" اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو نری بکواس ہیں اور جنہیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ روضۃ الاحباب ہو یا روضۃ الصفا۔ ابو الفدا ہو یا ابن خلدون طبری ہو یا واقدی۔ ابن ہشام ہو یا ابن اسحٰق غرض کسی مورخ کی رائے یا اس کی روایت کسی پر حجت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نبی کریم پر اس سے کوئی الزام قایم ہو سکے۔

بعض معترضوں نے نئی نئی باتیں گھڑی ہیں اور وہ اور بھی مضحکہ خیز ہیں چنانچہ لکھا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے زینب حضور ... عاشق ہو گئی تھیں اس کا ثبوت نہیں دیا کہ یہ روایت کیوں کر معلوم ہوئی اور اگر کسی کتاب میں ایسی روایت موجود بھی ہے تو وہ تاریخ کیوں نہ معلوم ہوئی کہ زینب سے یہ افعال سرزد ہوئے تھے اس لئے آپ سے عشق تھا اس عشق کی یہ وجہ بتانا کہ زینب

زید کے ساتھ نکاح کرنے میں راضی نہ تھی ایک زبردستی کا استدلال ہے۔ اور اگر یہ فرض کریں کہ زینب عاشق تھی تو پھر عشق کا الزام رسول اللہ پر غلط ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایسی متضاد باتیں ہیں جن کا سر نہ پیر پھر ایک عیسائی نے پہلے سے کا مضمون سے محبت کی سلسلہ جنبانی تھی اور وہ اخیر میں یوں پہنچی ہوئی۔ یہ ساری باتیں اسی قسم کے کل خیالات ہیں ہیں نکتہ چینی کرنے کے لئے نئے الزام بلکہ رسول کریم پر قایم کرنے انسانیت اور شرافت سے بعید ہیں اور زینب کے نکاح پر ایک دقیق نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور کیا سمجھا ہے مسلمانوں نے خاص زینب نے معاملہ میں مخالفین اسلام کے خود بدولت منہ توڑ جواب دیئے ہیں مگر خدا کے فضل و کرم سے چونکہ میں بھی مسلمان ہونے کا فخر کرتا ہوں اسلئے مجھے بھی جواب دینا لازمی ہے خواہ وہ جواب اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کیسے ہی پایہ کا کیوں نہ ہو۔

جب حضور انور نے ملاحظہ فرمایا کہ ماں بہن یا بیٹے بیٹی کے خالی الفاظ کا اثر بہت ہی کچھ خیال کیا جاتا ہے اور اس سے تمدن اسلامی میں اگر یہ بات قایم رہی تو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اس قبیح رسم کو نیست و نابود کرنے کیلئے فکر کرنا شروع کیا اس قبیح رسم نے نئی نئی صورتیں پیدا کر لی تھیں اور فی الحقیقت وہ صورتیں قایم رہتیں تو مسلمانوں میں سخت تباہی آتی اور شدید آفت نازل ہوتی۔ رسم یہ تھی کہ اگر کسی شخص نے سہوے یا غصے یا مذاق میں اپنی بی بی کو یہ کہدیا کہ تو تو میری اماں یا بیٹی کے برابر ہے تو فوراً بی بی نکاح سے خارج ہو جاتی اور پھر کبھی مناکحت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کسی جوان لڑکی کو بیٹی کہلیا تو پھر اس سے مناکحت کسی طرح بھی جائز نہ ہو سکتی تھی۔ انصاف سے خود ہی دل میں فیصلہ کر لو کہ جس خاندان یا قوم میں یہ کیفیت ہو وہ سلامت ہی کب رہ سکتی ہے اس میں شب و روز فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اور بلا شبہ اس کی زندگی میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ حضور انور نے اس پر خطر حالت کو بخوبی محسوس کر لیا تھا اور جو باہمی نا اتفاقیاں پڑ رہی تھیں وہ ملاحظہ فرمالیں تو آپ اپنی ناواقف قوم پر رحم فرما کے اس امر کے درپے ہوئے کہ کسی طرح اس رسم کو دنیا سے مٹا دیا جاوے۔ یہ کام فی الحقیقت آسان نہ تھا اور یہ اسیقدر مشکل تھا جتنا کعبہ میں سے بتوں کا نکالنا۔ بظاہر یہ رسم بہت ہی خوشنما اور مہذب معلوم ہوتی تھی کہ ایک شخص کو جب زبان سے بیٹا کہدیا تو وہ بیٹا ہو گیا یا بیٹی کہلایا تو وہ بیٹی ہو گئی مگر جو خرابیاں اس میں چھپی ہوئی تھیں ان کو سوائے اس آنکھ کے جس میں روح القدس کی روشنی ہو اور انوار الٰہی کی چمک ہو اور کون دیکھ سکتا ہے آپ نے اس خرابی کو غرض پورے طور پر محسوس کر لیا اور اب اس کی بیخ کنی کے درپے ہوئے۔ آپ اس امر کی تلاش میں تھے کہ کوئی موقع عملی کارروائی کرنے کا ملے کیونکہ بغیر عملی کارروائی کئے ممکن نہ تھا کہ دوسروں پر اس کا اثر پڑتا چونکہ روح القدس روز پیدائش سے آپ کے ہمقرین رہتی چلی آئی تھی وہ بار بار آپ کو امید دلاتی تھی کہ یہ موقع ہو گا چونکہ اتفاق سے زید نے زینب کو طلاق دی اور اس وقت آپ کو اپنے قدیم خیال میں کامیاب ہونے کا موقع ملا اور آپ نے فوراً نکاح کر کے بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیبی جب اسے طلاق ملجائے نکاح میں آسکتی ہے۔ اب یہ اعتراض کہ نکاح کیوقت کوئی وکیل نہ تھا محض لچر اور پوچ ہے بلکہ اس وکیل نہ ہونے میں بھی بہت بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے۔ آپ نے اپنی امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اگر کہیں ایسا اتفاق ہو کہ گواہ یا وکیل میسر نہ آسکتے ہوں تو ایجاب و قبول کافی ہے اور خداوند تعالیٰ کی گواہی بس ہے

اسلام کو دنیا کے اور ادیان پر [illegible] حاصل ہے کہ اس میں ہر شخص آزاد کیا گیا ہے کسی ماتمی یا شادی کی تقریب ادا کرنے کیلئے نہ کسی [illegible] ضرورت ہے نہ قاضی کی محض رسم کے طور پر کسی قاضی کا نکاح کے لئے بلا لینا دوسری بات ہے مگر مذہبًا کوئی مسلمان اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ قاضی ہو تو نکاح ہو ورنہ ہو ہی نہ سکے۔ اگر بدقسمتی سے یہ حکمتیں کوئی نہ دیکھ سکے تو اس کی بینائی کا [illegible] ہے ورنہ حکمت میں سرمو تفاوت نہیں ہے۔

نکاح کے بعد آپ نے بہت بڑا ولیمہ کیا اور مسلمانوں کی دعوت کی۔ اس دعوت پر عجیب عجیب الزام رسول کریم کی اقدس ذات پر قائم کئے گئے ہیں جن کا سر نہ پیر اور یہ الزا[م] ایسے بے بنیاد اور ہوائی ہیں کہ ادنے توجہ کے بعد ان کا بے معنی ہونا سمجھ میں آسکتا ہے [illegible] نا مہذب اور [illegible] [illegible] [illegible] سے بے بہرہ گرشاؤں نے یہ لکھا ہے کہ ولیمہ کے دن مسلمان کھانا کھا کے جم گئے [illegible] [illegible] [illegible] کر دیں رسول اللہ بیتاب ہوئے جاتے ہیں کہ یہ کسی طرح سے اٹھ کے جائیں مگر [illegible] [illegible] کھاتے رسول اللہ بار بار اپنی ازدواج کے پاس جاتے ہیں اور ان کا آکے سلام کہتے ہیں مگر [illegible] [illegible] سنتے اور جب بیٹھے ہیں اخیر خدا خدا کر کے اٹھے اور رسول اللہ زینب کے حجرہ میں داخل ہوئے اور جلدی سے کواڑ بند کر لئے پیچھے سے ابوہریرہ اور طلحہ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے [illegible] [illegible] افسوس کیا اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے واپس پھر کے چلے۔ [illegible] اس پر فورًا بعد از ان آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے [کہ] اے مسلمانوں نبی کے گھر میں نہ آیا کرو جب تک تمہیں حکم نہ ملا کرے کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھے رہا کرو جب تک تمہیں بلایا نہ جائے [illegible] [illegible] کھانا کھا چکو تو ادھر ادھر چلے جایا [کرو] باتوں میں دل لگا کے نہ بیٹھا کرو ان باتوں سے نبی کو ایذا ہوتی ہے اور [illegible] شرم آتی ہے مگر خدا سچ بات سے شرم [نہیں] کرتا اور جب نبی کی بیبیوں سے کوئی بات کرنی یا کچھ چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر کھڑے ہو کے مانگ لیا کرو [اس] آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ولیمہ [کی] تقریب ہرگز اس کی شان نزول نہیں ہوسکتی۔ اس آیت میں [illegible] یہ فرمایا گیا ہے کہ بغیر اجازت کے نبی کے گھر نہ آیا کرو حالانکہ ولیمہ کے دن سب کو دعوت کے لئے مدعو کیا گیا تھا نہ بلانا سمجھ میں نہیں آیا پھر یہ فرمایا گیا کہ کھانا پکنے کی انتظا[ری] میں نہ بیٹھا کرو حالانکہ خاص مسلمانوں کی دعوت کے لئے کھانا پکایا گیا تھا پھر اس کی انتظاری میں بیٹھنا کیسا۔ یہ ساری باتیں محض تعصب اور حسد سے بنائی گئی ہیں ورنہ اعتراض کی ان میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

[آپ] کا گھر چونکہ سب گھروں کے لئے کھلا ہوا تھا [illegible] [illegible] اور بھو کے آپ کے ہاں آکے مہمان ہوتے تھے اور چونکہ وہ لوگ جنگلی اور وحشی ہوتے تھے [illegible] [illegible] گھر میں بیٹھ جانا اور کھانا کھا [illegible] [illegible] کوئی نازیبا بات نہ معلوم ہوتی تھی اسلئے محض از راہ نصیحت انہیں تہذیب سکھانے کے لئے یہ [illegible] [illegible] اور امہات المومنین کا ادب اور آداب ملحوظ رکھیں اور دنیا میں ایک شائستہ قوم بنجائیں [illegible] [illegible] تعظیم اور حرمت کیا کرتے ہیں۔ آپ کی تعلیم [illegible] قوم کی حالات کا پورا نقشہ قرآن مجید میں کھینچ دیا گیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ہم نے سب پڑھے لکھوں یا جاہلوں [illegible] ایک رسول بھیجا جو ان کا تزکیہ کرتا ہے جو نہیں شائستگی اور تہذیب کے قواعد سکھاتا ہے جب وہ لوگ محض امی تھے جن کے امی ہونے کی شہادت خداوند تعالےٰ بھی دیتا ہے تو ان سے خلاف تہذیب امور سرزد

ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی۔ بغیر اجازت کسی کے گھر میں چلے آنا اور کھانے کی فراغت کے بعد بیٹھے رہنا اور جانے کا نام نہ لینا یہ ایسے افعال ہیں جو دنیا کی کسی قوم میں بھی مستحسن نہیں گنے جاتے۔ اگر رسول خدا نے ان قبیح امور کے ترک کرنے کی تنبیہ فرمائی تو اس میں اعتراض کے قابل کونسی بات ہوئی۔

قصہ مختصر یہ کہ زینب سے نکاح کرنے میں جو حکمتیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں (اوّل) یہ ثابت کر دیا کہ اسلام غلام کو ہرگز حقارت سے نہیں دیکھتا (دوم) لے پالک بیٹے کی بیبی سے طلاق اور عدت ختم ہونے کے بعد مثل معمولی عورتوں کے نکاح ہو سکتا ہے (سوم) صرف زبان سے کسی کو بیٹا کہہ لینا کوئی وقعت نہیں رکھتا (چہارم) بغیر قاضی اور گواہوں کے بھی نکاح ہو سکتا ہے (پنجم) اعلیٰ درجہ کی بات کرنے میں اگر قوم بھی مخالف ہو تب بھی [illegible] اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور حق بات کہنے میں کسی سے خوف نہ کرنا چاہیے (ششم) نکاح [illegible] نہیں ہے۔ غرض اس طرح سے صدہا حکمت کی باتیں مضمر ہیں اور سمجھنے والا خوب سمجھ سکتا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے [illegible] سے سخت نا ملایم الفاظ ہرگز تہذیب پر پردہ نہیں ڈال سکتے [illegible] زبان پر قفل نہیں لگا ہوا ہے [illegible] ہر شخص بہت آزادی سے جو چاہے کہہ سکتا ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اپنی اس خداداد آزادی سے کہاں تک کام لے سکتا ہے اور اسے کس حد تک تہذیب کے دائرہ میں پابند رہنا چاہیے۔ اور اس کا قول کس حد تک قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک اونیٰ درجہ کے تنگ دل نے ایک شہنشاہ اسلام کی شان میں جس کا کلمہ کروڑوں مخلوق خدا پڑھتی ہے نا ملایم الفاظ کہہ دیئے کیا اس سے اس [illegible] ذات واطہر صفات پر کچھ الزام آسکتا ہے۔ نستغفر اللہ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسی گندی باتوں سے لکھنے والے [illegible] کی تہذیب اور شائستگی کا نمونہ ظاہر ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ قائل انسانی لحاظ سے ذالت کا ایک [illegible] بلکہ عین انسانیت کے دامن پر ایسا دھبہ ہے کہ کبھی نہیں مٹ سکتا اور جس کی سیاہی روز بروز عیاں ہوتی جائے گی۔ زینب کے نکاح میں کوئی بھی معمولی بات نہیں ہے جسے عیسائیوں نے محض اپنی کور باطنی سے ہوا بنا رکھا ہے صرف اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے لے پالک بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا۔ مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ جب طلاق ہو چکی ہو اور عدت کے دن گذر گئے ہوں پھر وہ لے پالک کی بی بی رہی کہاں۔ وہ بالکل ایک آزاد عورت ہے اور سوائے باپ بھائی چچا وغیرہ کے اس سے ہر شخص نکاح کر سکتا ہے۔ زینب کا قصہ بس اسی قدر لکھنا تھا جو ہم لکھ چکے۔ ہمارے خیال میں [illegible] یہی کافی ہوگا۔ زیادہ طول دینا غیر ضروری جان کر اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی بیٹی تھیں۔ آپ کے پہلے خاوند کا نام ذوالشفرین تھا۔ یہ شخص غزوہ بنی المصطلق میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مارا گیا تھا۔ آپ نے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئیں۔ آپ بڑی عبادت گزار اور خدا ترس بی بی تھیں ہمیشہ روزے رکھتیں اور نماز و قرآن پڑھتی رہتی تھیں آپ کا نکاح بہت بڑی سیاسی بنا پر مبنی تھا اور اس نکاح کا

[illegible] منتظم ہوا تھا بنی مصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے جب بلا وجہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کی اور
[illegible] شروع کی تو ناچار رسول کریم نے بھی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خوب لڑائی ہوئی آخر بنی مصطلق مغلوب ہوئے اور
قانون جنگ کے موافق عورت مرد سب گرفتار کر لئے گئے اور ان کی باہم مسلمانوں میں تقسیم ہو گئی اور بہت سے سرکش ایسے
بھی تھے جنہیں سزائے موت دی جاتی۔ آپ چاہتے تھے جس طرح ہو باہمی [illegible] ہو اور قوم میں شیر و شکر ہو جائیں آپ ہی
[illegible] حضرت جویریہ بنت حارث آئیں اور اپنی شکستہ حالی عرض کی اور بیان کیا کہ میرا خاوند اس جنگ میں مارا گیا میں
قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں اب ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں حضور سے فریاد کرتی ہوں کہ جب حارث کے پاس [illegible]
کہ کے اپنی سرپرستی میں لیا جائے اور میری رہائی کے عوض ثابت کو میرے باپ کے چند درخت جو مدینہ میں ہیں دیئے جائیں
آپ نے اس کی خوشی پر عمل فرمائے اس کے معروضہ پر توجہ فرمائی اور ثابت کو بلا کے کہا کہ یہ عورت اپنی آزادی چاہتی ہے ان خرموں
[illegible] کے عوض میں دیئے کیا تو قبول کرتا ہے اس نے بخوشی منظور کر لیا اور جویریہ کو آزاد کر دیا۔ حضور انور نے [illegible]
اس سے نکاح کر لیا اس نکاح کرنے کا قوم پر یہ اثر ہوا کہ جتنے قیدی بنی مصطلق تھے سب رہا کر دیئے گئے اور کل مال غنیمت واپس
دے دیا گیا۔ اور دونوں قوموں میں نہایت درجہ اتحاد پیدا ہو گیا۔ اس نکاح میں یہ بہت بڑی حکمت تھی۔ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ نکاح کیسا
مبارک نکاح ہے جس کے باعث دو دشمن قوموں میں بھائی چارہ قایم ہوا اور صدہا آدمیوں کی جان بچ جاتے۔ آپ کے نکاح کی
نسبت بھی بہت سے فضول اور لایعنی اقوال بیان کئے جاتے ہیں اور بہت سی الٹی سیدھی روایتیں مشہور ہیں لیکن وہ سب بیہودہ اور
غلط ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ روایت مشہور ہے کہ بنی مصطلق پر فتح پانے کے بعد آنحضرت بی بی عائشہ کے ساتھ ایک چشمہ
پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے جویریہ آئیں چونکہ یہ ایک خوبصورت بی بی تھیں حضرت عائشہ نے دیکھتے ہی کہا کہ حضرت ضرور اسے
اپنے نکاح میں لے لیں گے چنانچہ آنحضرت نے فوراً نکاح کی غرض ظاہر کر ہی دی۔ یہ بھی عجیب و غریب تاریخ ہے کہ جس کا سر نہ پیر
کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق میں رسول کریم کے ہمراہ گئی ہوں
کوئی شخص اسے ثابت نہیں کر سکتا کہ [illegible] رسول کریم کے ساتھ ایک چشمہ پر بیٹھی ہوں اور جویریہ کی صورت دیکھتے ہی آپ کو
یہ خیال آیا ہو کہ رسول کریم اس سے ضرور نکاح کر لیں گے یہ بہت بڑا بہتان ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر اٹھایا گیا
اس قسم کا خیال کبھی کسی بی بی کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا ہر بی بی نکاح کی حکمت سمجھتی تھی اور جانتی تھی ہر نکاح میں کتنی بڑی حکمت
مضمر ہے۔ صحیح حدیث ہے جب کسی شخص نے بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت کے
اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو قرآن مجید نہیں پڑھتا یعنی قرآن مجید میں آخر الزمان نبی کے اخلاق موجود
ہیں پھر مجھ سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے جب یہ پاکیزہ خیالات تھے اور صاف
باطن تھیں پھر ان کی نسبت یک بارگی یہ خیال کرنا اور غیر دینی کے الزام ان کے سر تھوپنا خلاف انسانیت ہے۔
اور ایک حملہ [illegible] جویریہ کے معاملہ میں رسول مقبول پر کیا گیا ہے اور وہ نامہذب اور بازاری ہے جسے دیکھ کر شرم آتی ہے
بیان کیا [illegible] حضرت [illegible] کے پاس آئے اور ان سے مقاربت کرنی چاہی آپ [illegible] نے نہیں [illegible]
[illegible] کسی روایت میں موجود اور نہ کسی صحیح اور معتبر تاریخ [illegible]

ساری باتیں جو مخالفوں نے ایجاد کی ہیں اُن کا کہیں بھی پتہ نہیں لگتا سوائے اس کے کہ ان باتوں کو مخالفین کے خیالات کا ایک پرتو کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی بیوہ تھیں جب حضور سے نکاح ہوا تھا۔ آپ کے پہلے خاوند کا نام عبداللہ بن جحش تھا۔ آپ کے پہلے خاوند سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ آغاز اسلام میں ام حبیبہ اپنے شوہر کے مسلمان ہو گئی تھیں جب مکیوں کے جور و ظلم سے مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی ہے تو یہ بھی ان مہاجرین میں حالت بانداری تھیں۔ اور اسلام کے سچے نقوش ان کے دل پر بیٹھ گئے تھے ایک تو آفت رسیدہ ہو کے حبشہ گئی تھیں دوسری آفت ان پر یہ آئی کہ پردیس میں پہنچ کر ان کا شوہر عبداللہ بن جحش متزلزل ہو گیا اور اس نے مذہب اسلام سے نفرت ظاہر کی۔ اگرچہ بی بی ام حبیبہ کو اپنے خاوند سے بہت ہی محبت تھی اور سوائے شوہر کے پردیس میں ان کا کوئی سرپرست بھی نہ تھا۔ ہوی نے بڑی دلیری سے روکا اور کہا کیا غضب کرتا ہے نصرانی نہ ہو اور ایسے حق دین سے پہلو تہی نہ کر مگر وقت یہ تھی کہ اسلام نے شراب خوری وغیرہ کو ناجائز قرار دیدیا تھا اور حرام حلال میں امتیاز پیدا کر دیا تھا اور ایسی پاک زندگی میں رہنا خاص ایسے شخص کے لئے محال تھا جسکے خون میں بدکاری اور افعال قبیحہ کا زہر ملا ہوا ہو وہ مسلمان رہ کے کبھی ایسے شنیع افعال نہیں کر سکتا تھا۔ بی بی ام حبیبہ کے کہنے کی اُس نے مطلق پرواہ نہ کی اور اپنے سابق نصرانیت کے خیالات ظاہر کئے۔ پھر اس نے ام حبیبہ کو سمجھایا کہ اس پردیس میں اور کوئی تیرا سرپرست نہیں ہے تو بھی نصرانی ہو جا۔ یہ صدمہ تھا کہ ام حبیبہ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور جہان آپ کی آنکھوں میں تاریک ہو گیا تھا اور اب آپ ایک اجنبی زمین میں بالکل بے یار و مددگار تھیں پھر بھی آپ نے بڑی دلیری سے اپنی ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور صاف کہدیا کہ اگر تو شیر یا نصرانی ہوتا ہے تو میں تیری زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔ عبداللہ بن جحش نے نہ مانا اور آخر نصرانی ہو گیا۔ نصرانی ہو کے تمام معاصی جن سے وہ تائب ہو گیا تھا پھر اس میں عود کر آئے اور وہ خرابات میں پڑ گیا اس کی سخت سخت ذلت سے ہوتی شراب میں سرمست ہو کے اخیر سخت رسوائی کے ساتھ اس کی جان نکل گئی۔

خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کی اس وقت کیا کیفیت ہو گی۔ مکہ معظمہ میں آپ پہلے ہی اظہار نہیں ہوتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہیں جلا وطن ہونا پڑا تھا پھر حبشہ میں وہ اپنے بدکار شوہر کی شومی طالع سے بے پناہ رہ گئیں مگر پھر بھی اسلام کی دلدادہ بی بی بہت مضبوطی سے اسلام پر قائم رہی اور اس کے ایمان و یقین میں کسی قسم کا بھی تزلزل نہیں آیا بلکہ بالکل برباد ہو کے مرجانا بہتر سمجھا لیکن دین خدا سے منہ نہ پھیرا۔ آپ نے اپنے بدنصیب شوہر سے علیحدہ ہونے کے بعد بڑی سخت مصیبتیں گذاریں پھر آپ قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ میں آئیں اور اپنی تمام دردناک کہانی رسول مقبول کی خدمت میں عرض کی اور کہا میں بالکل بے پناہ ہوں۔ میرے دین اسلام کے سبب مجھ پر یہ آفتیں ٹوٹی ہیں۔ آپ میری [illegible] اور میری سرپرستی [illegible] حال سنکے آپ [illegible] بھر لائے [illegible] ام حبیبہ کو اپنی زوجیت میں قبول کیا [illegible] بی بی رضی اللہ عنہا [illegible] وفات [illegible] ہجری میں ہوئی [illegible] حدیثیں بھی آپ کی [illegible]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی یہود تھیں۔ آپ کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم تھا مگر اس نے طلاق دیدی تھی پھر کنانہ بن ربیع سے نکاح ہوا۔ یہ شخص غزوہ خیبر میں مارا گیا جب قانون جنگ کے مطابق سب لوگ گرفتار ہوئے تو آپ نے صفیہ کو دیکھکر فرمایا تو آزاد کیگئی خواہ یہاں رہ یا اپنے رشتہ داروں میں چلی جا انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہوگئی تو پھر یہودیوں میں جا کے کیا کرونگی وہاں میری گذر کیونکر ہوسکتی ہے۔ خواہ وہ میرے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب اختلاف مذہب ہوگیا تو مجھے ان سے سخت نفرت ہے میں تو حضور کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ نے اُسے زوجیت میں قبول کرلیا اور مدینہ لے آئے۔ ان بی بی کی نسبت بھی بہت سی جھوٹی روائتیں بنائی گئی ہیں جن کا سر نہ پیر۔ وہ روائتیں ہرگز قابل توجہ نہیں ہیں اور ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ ایک یہ الزام ہے کہ نکاح کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ تجھے محمد پسند آئے تو اس نے کہا میں نے انھیں بہت خوب پایا۔ پھر پہلی منزل میں بی بی صفیہ کا انکار پھر دوسری منزل میں ام سلیمہ والدہ حضرت انس کو بھیجنا کہ تو جا کے صفیہ کو سنگھار کرا اور پھر اس کا صفیہ کو سمجھانا کہ دیکھیو تو انکار نہ کیجیو پھر وقت مقاربت ابوایوب انصاری کا پہرہ پر برہنہ شمشیر لئے کھڑا ہونا پھر بعد فراغت آنحضرت کا دریافت فرمانا کہ تو یہاں کیوں کھڑا تھا اُن کا جواب دینا کہ یہ عورت یہودن تھی اور اس کے باپ بھائی جنگ میں مقتول ہوئے تھے مبادا یہ دست درازی کر بیٹھے تو میں ڈرتا رہا کہ [illegible] پھر آنحضرت کا اسے دعا دینا کہ جس طرح تو نے نبی کی حفاظت کی ہے اسیطرح خدا بھی تیری حفاظت کرے گا پھر صفیہ کا سج کے آنا اور تمام مدینہ میں غل مچنا اور حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کا بھیس بدل بدلکے صفیہ کو دیکھنے آنا اور آنحضرت کا گھونگھٹ میں حضرت بی بی عائشہ کو پہچان لینا پھر بی بی صفیہ کا شکایت کرنا کہ مجھے عائشہ اور حفصہ ستاتی ہیں اور طعنہ دیتی ہیں کہ تو یہودن ہے [illegible] حقیقت ہی کیا ہے پھر آنحضرت کا بی بی صفیہ کو یہ جواب بتانا کہ جس وقت وہ تجھے یہودن کہا کریں تو تم کہا کرو کہ ہارون میرا باپ موسیٰ میرا چچا اور محمد میرا خاوند ہے پھر آنحضرت کا بی بی عائشہ کو سمجھانا کہ تم اُسے تکلیف نہ دیا کرو وغیرہ وغیرہ یہ سب بے بنیاد روائتیں اور نالایق الزام ہیں جو حضور انور اور آپ کی ازواج پر لگائے گئے ہیں اگر ہم فرض کریں کہ کسی اسلامی تواریخ میں بھی اس کا کھوج لگتا ہے پھر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ کسی مورخ کا لکھنا یا کسی مفسر کا اپنی تفسیر میں درج کرنا یا کسی راوی کا روایت کرنا ایک خفیف سا الزام بھی رسول مقبول اور ازواج پاک پر نہیں قائم کرسکتا۔ یہ سب چڑے چڑیا کی سی کہانیاں ہیں اور صدق سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے اگر خود ان میں تنقیح کو شمول کیا جائے گا تو ان میں شتر برابر بھی صدق کا پتہ نہ لگے گا۔ خیال نہیں ہوسکتا کہ جب پہلی منزل میں رسول کریم بی بی صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے اس بنا پر انکار کردیا کہ یہودیوں کا خوف تھا کہیں آ نہ پڑیں اور رسول اللہ کو صدمہ پہنچائیں یہ یہود دوسری [illegible] یہودیوں کا کس وقت حملہ آور ہونا تھا کہ جب بی بی صفیہ اونٹ پر بیٹھکے آنحضرت کے ساتھ خیبر سے چلی آئی [illegible] نے نہیں روکا تو دوسری منزل پر مقاربت کرنے میں کون مانع آسکتا تھا۔ پھر یہ روایت کہ دوسری منزل میں [illegible] کو صفیہ کے بناؤ سنگھار کا حکم ہوا تھا کیسی بیہودہ بات ہے بناؤ سنگھار کی اگر ضرورت تھی تو پہلی دفعہ [illegible] نہ کہ دوسری بار آنحضرت کو اس کا خیال آیا پھر ابوایوب انصاری کا پہرہ دینا بھی عجیب مہمل حکایت ہے جس کا

سرپر سرسول خدا ایسے کم رو بچہ تھے کہ ایک نتنی عورت آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکتی اور اسی لئے ابو ایوب کو خوف ہوا تو ان پر رسو ... پاک کا دیکھنے کو بیس بدل کے آنا کیسا الغو استدلال ہے جبکہ وہ آزادی سے بھی آسکتی تھیں ... ناگیا مثنی وہ سب ایک مختصر جگہ علیحدہ علیحدہ حجروں میں ملکے رہتی تھیں کوئی ... تھا نہیں کہ انہیں ایک دوسرے کے پاس وقت سے آنا پڑے۔

شرم نہیں آتی کہ ایسی بے معنی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن کا سفسطہ بینی ہے ہم ایسے مفسروں یا مورخوں یا راویوں کو کیا کہے چاہئیں جو اتنا بھی نہیں سمجھے کہ آیا رسول مقبول کے زمانہ میں ایسے واقعات ہو بھی سکتے ہیں اور اگر فرض کر و ہوئے تو تین صدی کے بعد ایک ایک منٹ کا حال اور بلفظہ گفتگو کی کیفیت انہیں کون کہنے آیا الہام اور وحی کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زن وشوہر کے راز دارانہ تعلقات اور باہم گفت و شنید کا انہیں پورے تین صدی کے بعد پتہ لگ گیا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ مکتہ چینیوں نے ان روایتوں کو اگر وہ اسلامی کتابوں میں ہیں کس دلیل اور حجت سے صحیح تسلیم کرکے اسلام اور بانیٔ اسلام پر اپنے جلے پھپولے پھوڑے ہیں ہم نے اس قسم کی باتیں جیٹ بیٹھے عیسائیوں کی کتابوں میں دیکھی ہیں مگر جو یورپ کے اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں وہ کبھی ان چھوٹے چھوٹے پائی کی کتابوں پر خیال ہی نہیں کرتے اور نہ ایسی باتیں اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی صاحبزادی تھیں آپ کا نکاح پہلے ابن عمرے ہوا تھا مگر اس نے طلاق دیدی پھر آپ کی شادی ابورہم سے ہوئی تاس کے بعد سنہ ہجری میں آنحضرت سے نکاح ہوا معترضین کا یہ اعتراض کہ نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ بمقام سرف بی بی میمونہ نے اپنا نفس آنحضرت کو ہبا کر دیا تھا ہبا کرنے یا نکاح کرنے میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ نکاح میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہبا میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حالانکہ نکاح میں بھی عورت اپنا نفس دو گواہوں کے آگے ایک شخص کو ہبا کرتی ہے۔ یہ کوئی ایسے اعتراض کی بات نہیں ہے جس پر دریدہ دہنوں نے بہت کچھ بیہودہ گوئی سے کام لیا ہو۔ اور پھر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بی بی میمونہ اونٹ پر جا رہی تھیں رسول اللہ نے دیکھ کر ڈنا یا کہ اونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ میرا ہے۔ یہ روایت محض لغو اور مہمل ہے۔ اور اس کا کسی معتبر کتاب میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو اپنے قبضہ میں لاسکے یعنی بغیر گواہوں کی موجودگی کے کسی عورت سے دائمی تعلق پیدا کرے کیوں کہ گو وہ ہر مقام پر بکثرت ملتے ہیں مگر نبی کے لئے یہ کوئی قید نہیں ہے۔ اگر عام طور پر ہبا کی رسم اسلام میں بھی جاری ہو جاتی تو انتظام عالم اور تمدن اسلامی میں سخت تزلزل واقع ہوتا اسلئے منع کر دیا گیا ہے کہ خاص رسول کریم کی یہ خصوصیت ہے اور کوئی مسلمان ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ رہا مجبوری کی حالت میں اور ایسی ... گواہ ملنا ناممکن ہو تو فقہانے اس کے لئے بہت کچھ احکام بیان فرمائے ہیں جنہیں ہم تفسیر ...

اس کے بعد میمونہ کے غسل کا تذکرہ ہے اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ... نہا لئے یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں جنہیں نفس مطلب سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے نہاتے وقت ...

کسی بی بی سے یہ باتیں کی نہیں تین صدی کے بعد قیاس تک نہیں معلوم ہو سکتیں۔ یہ ساری من گھڑت ہے جسے واقعات
سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت کی لونڈیاں یا حرمیں

بعض ضعیف روایتوں میں آنحضرت کی حرموں کا بھی بیان ہے مگر سب غلط اور مہمل ایک روایت بھی کوئی صحیح نہیں ثابت
کر سکتا نام گنانے کو تو ہر اس کے نام گنا دیئے جائیں مگر صداقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے بعض مستند کتب
میں بھی دو ایک حرموں کا تذکرہ ہے مگر اتفاق نہیں ہے اور اس قسم کی کوئی روایت متفق علیہ آج تک نہیں ثابت ہوئی
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی ران پر برص کا داغ تھا آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کی اگرچہ اصول طب اور تمدن سے
اس روایت کو منافرت [illegible] نہیں ہے مگر ایسی باتیں رسول کریم کے زمانہ میں مشہور نہیں ہو سکتی تھیں یہ تو صدیوں کے بعد
تراشی گئی ہیں اور ہر روایت چونکہ عربی جامہ میں ہے اس لئے اس کے پڑھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے ہمارے پاس کوئی
معیار ایسی نہیں ہے جس سے جھوٹی سچی روایت پرکھی جائے اور جو اسماء الرجال کی بحث کی جاتی ہے وہ بہت ہی نامکمل ہے
بہرحال ہم درایت سے جانچتے ہیں اور جب تک کوئی روایت درایت کی معیار پر کھری نہ اترے گی ہمیں تو اس کے ماننے
میں تامل ہی ہوگا۔ مثلاً بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت ضحاک آپ کی حرم تھیں انہیں خرچ کی تنگی ہوئی تو انہوں نے طلاق مانگی
آپ نے طلاق دیدی اور پھر بیچاری فاطمہ مینگنی چن کر کے مر گئی۔ پھر اسماء بنت صلت کا بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت
نے اس سے ہم بستر ہونے کی درخواست کی تو وہ شادی مرگ ہو گئی پھر قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت کا بیان ہے کہ اس کے
باپ نے آنحضرت کے آگے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کی آپ نکاح کرنے پر راضی ہو گئے مگر جب اس نے منجملہ
اور صفتوں کے ایک یہ صفت بیان کی کہ کبھی مریض نہیں ہوئی تو آپ متنفر ہو گئے اور فرمایا ایسی عورت بہت ہی
منحوس ہوتی ہے پھر ایک بنت کعب ہے جس کی ران پر برص کا دھبہ پایا گیا اور جو دیکھتے ہی رسول کریم اٹھ کھڑے ہوئے۔
پھر امیمہ بنت نعمان ہے جس کا ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کا مہر مقرر کیا گیا تھا جب آنحضرت نے ابو سعید ساعدی
سے اس عورت کو بلایا تو حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ نے اسے یہ سکھایا کہ جس وقت رسول اللہ تیرے پاس سونے لگیں
تو اس وقت یہ کہہ دیجیو اعوذ باللہ منک یعنی تجھ سے خدا کی پناہ جب ایسا موقع ہوا اس نے یہ کہہ [illegible] آپ [illegible]
کھڑے ہو گئے اور فرمایا تو نے بڑی ذات کی پناہ ڈھونڈی ہے۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ [illegible] بی بی حفصہ کی [illegible]
تو آپ نے پھر دوبارہ اسے بلایا اور اپنے پاس رکھا۔ پھر لیلیٰ بنت خطیم کا بیان ہے کہ اس نے آپ کی پیٹھ پر [illegible] تھپڑ مارا اور
اس وقت آپ جب [illegible] کی طرف منہ کئے بیٹھے تھے یہ گویا مخول دل لگی کے طور پر تھا پھر اس نے کہا کہ میں اپنا نفس
آپ کو بخشتی ہوں آپ راضی ہو گئے [illegible] کر کے جب گھر واپس آئی اور اپنے رشتہ داروں سے بیان کیا
تو انہوں نے کہا [illegible] اس سے ہرگز نکاح نہ کیجیو تم [illegible] اور عورتیں دیکھ کے رشک ہوگا [illegible]
[illegible] بد [illegible] چنانچہ وہ دوبارہ حاضر ہوئی اور اپنا عہد توڑ کے چلتی

بنی اور کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ پھر ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب ہے جو بیوہ بن کے رسول کریم کے گھر تک آئی۔ پھر خولہ بنت حکیم ہے اس سے نکاح نہیں ہوا مگر اس [illegible] سوئے ضرور۔ پھر ضمرہ ہے جسے اس کے باپ سے طلب کیا تھا مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا اور مرض کا بہانہ کر کے اپنے [illegible] کامیاب ہوا۔ پھر ام رافع۔ رضوی۔ ریحانہ۔ ام ضمیر۔ ماریہ۔ شیریں۔ ام ایمن ہیں جن میں سے بعض سے مقاربت بھی کی اور بعض سے نہیں کی۔

[illegible] کا یہ طوفان بے تمیزی ہے جنہوں نے اتنے نام عورتوں کے ایجاد کر لئے۔ ان ہی روایتوں میں [illegible] [illegible] بعض نے یہ بھی [illegible] کہ ایک نا سمجھ بھی تسلیم [illegible] سے سر ہلا دے گا۔ پہلا صرف اس خوشی میں کہ رسول خدا اس سے مقاربت [illegible] نہیں [illegible] کی جان نکل گئی کہ [illegible] بغو [illegible] نہیں بات ہے یا ایک عورت کا پیٹھ پر تھپڑ مارنا اور دل لگی کرنا اور نکاح کا وعدہ کر کے [illegible] وعدہ واپس لے لینا کتنا مہمل ایجاد ہے۔ ایسی روایتیں اگر غلطی سے کسی مسلمان مورخ نے درج کر دیں تو کیسی بھی [illegible] نہیں ہے کہ ہم اس پر تکیہ کر کے بیٹھیں بلکہ ہر روایت کو رسول کریم کے رعب جلال، اخلاق اور ادب کے مقابلہ میں رکھ کر جانچنا چاہئے اور پھر دیکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات سے اس یا اس جیسی اور روایتوں کا تطابق ہوتا ہے یا نہیں۔ جس آخر الزمان نبی کے حضور میں کوئی ہوں تک نہ کر سکتا ہو جس [illegible] برس میں سوائے تیرہ مسائل کے اور سوال نہ کیا ہو اس کے سامنے کس کا زہرہ تھا کہ وہ باتیں دریافت کرتا جو گھر [illegible] سے تعلق رکھتی نہیں۔ وضو نماز اور حج کے مسائل تو کوئی پوچھے نہیں جیسا کرتا ویسے ہی [illegible] لگتے تھے۔ کس کی مجال تھی جو کوئی ایک لفظ بھی زبان پر لاتا۔ بی بی کے ساتھ ایک ہی پانی میں نہانا اور پھر اس کا ذکر باہر صحابہ میں کر دینا اور پھر ان میں سے بعض صحابہ کا بطور وصیت کے خاص ان ہی باتوں کو اپنی اولاد سے کہہ جانا اور ان کا اپنی اولاد سے وصیت کر جانا اسی طرح جب نسلاً بعد نسلاً چلی آئیں پھر تو کہیں تیسری صدی میں [illegible] [illegible] کے کانوں میں [illegible]۔

بڑے تماشہ کی بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی یہ روایتیں بیان نہیں کیں [illegible] اگر [illegible] [illegible] و شو کے تعلقات [illegible] ضروری ہوتے تو سب سے پہلے صحابہ راشدین ان روایتوں کو بیان کرتے۔ [illegible] صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو اس طرف [illegible] [illegible] [illegible] صدی ہجری تھیں ایسے [illegible] پیدا ہو گئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رسول کریم سے [illegible] حدیثیں کی مستند کتابوں اور [illegible] سے اس کا پتہ لگتا ہے کہ [illegible] [illegible] میں تو ایسی روایتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا [illegible] ایسی بھنک بھی [illegible] پہلی صدی [illegible] [illegible] [illegible] یا دوسری صدی بھی خاموش گزر گئی۔ تیسری صدی میں ساختہ حدیثوں کا انبار لگا اور اس [illegible] [illegible] حدیثوں سے [illegible] دفتر مرتب کر دیئے یعنی شیعہ دونوں کی [illegible] حدیثوں کا اسی صدی میں [illegible] [illegible] انہوں نے اسی زمانہ میں آ کے جنم لیا۔ حضرت فاروق [illegible] حدیث [illegible] [illegible] حدیثوں کی روایت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ فی الحقیقت [illegible] کی حکمت بالغہ تھی اگر [illegible] [illegible] ہوتی تو [illegible] کی اشاعت اس کثرت سے کبھی نہ ہوتی [illegible] [illegible] [illegible]

چاہیں تھا کی ہی [illegible] حضرت عثمان غنی سے تو اعلان جاری کر دیا تھا کہ جو حدیثیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے روایت کی ہیں مگر ان کے سوا [illegible] حدیث بھی کسی سے روایت کی تو سخت سزا دی جائے گی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لشکرگاہ میں سے ایک شخص [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہیں کہ [illegible] سے بنا بنا کے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ کاش یہی [illegible] ہوتا [illegible] بعض اختلاف [illegible] یوں برباد نہ ہوتے۔

صحابہ [illegible] کی روایت سے جتنی حدیثیں ہیں ان کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے مگر تیسری صدی کے مسلمانوں کی روایت [illegible] کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور یہ امر بڑا ہی [illegible] ہے [illegible] یا بعض متاخرین مورخوں نے ستم توڑا ہے وہ وہ ناپاک باتیں بیان کر گئے ہیں جن کے بیان کرنے کی [illegible] بی بی [illegible] رسول اللہ کا پیشاب پی [illegible] کی بیماری [illegible] کسی نے [illegible] تمام امراض سے پاک ہو گیا آپ کا فضلہ زمین کھا جاتی تھی۔ ان حضرات سے معاف کیا جائے کہ ایسی رکیک اور غیر ضروری باتوں کے بیان کرنے کا منشا کیا ہے اور کونسی [illegible] بات اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اور شریعت کے کون سے اصول کی تعلیم ہوتی ہے۔ خواہ مدارج النبوۃ میں لکھا ہو یا روضۃ الاحباب میں خواہ ابو الفدا میں کسی کتاب میں کیوں نہ لکھا ہو کہنا ہے کہ غیر ضروری جن حدیثوں میں اس قسم کی لغویات نہیں ہیں وہی حدیثیں صحیح ہیں یا جو حدیثیں بشرطیکہ ثابت ہو بھی سکے کہ صحابہ راشدین کی ہیں تو سب سے زیادہ وہی معتبر ہیں اور ان کے علاوہ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہیں ان میں ہر شک کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

ہمیں خاص ازواج پاک کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے [illegible] یہ تحریر پسند آئے اور ایک حد تک کافی ہو ہم اس سے بھی کہیں زیادہ بحث کر سکتے تھے مگر ہم نے عمداً طول نہیں دیا ہمارے خیال میں بس اسی قدر کافی ہے۔ اگرچہ اس میں بہت کچھ لکھنے کی بھی گنجائش باقی ہے لیکن ہماری بساط کے قابل اسی قدر بس ہے۔

پندرھواں باب

اسلام

موجودہ زمانہ میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے اسلام کے اصلی مفہوم کو بہت ہی صدمہ پہنچا ہے۔ مذاہب عقلی باہمی خلفشار سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا مذہب تھا۔ صحابہ کا کیا طریقہ تھا۔ اہل حدیث اور مجتہدوں کے اسلام کی نسبت کیا عقائد تھے اور بالآخر کیا سمجھیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ یہ نہایت پیچیدہ سوال ہیں جو بالخصوص ہندی مسلمانوں میں گردش کر رہے ہیں اور جن کا اطمینان بخش جواب کسی طرف سے بھی نہیں ملتا۔ ایک عجیب آپا دھاپی ہے جو مذہب میں مچا رکھی ہے اور ایک عجیب پریشانی ہے جس نے کل مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس تمام فساد کے بانی ہمارے وہ علما ہیں جو دین کے پردہ میں ذاتی اغراض نکالنا چاہتے ہیں اور فی الحقیقت انہیں اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ایسے شخص سے کیا امید ہو سکتی ہے جو دین کا لباس پہنکر دنیا طلبی کرے۔ ممکن نہیں کہ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی حق نکلے۔ عوام مسلمانوں میں چونکہ عام جہالت پھیلی ہوئی ہے وہ نہیں سمجھ سکتے کہ خود غرض اور غیر خود غرض عالم کون ہے وہ آنکھیں بند کر کے کسی نہ کسی کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور اخیر میں نہ صرف اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی بلکہ دین و ایمان کی پونجی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

اسلام جس کے سادہ اور آسان اصول کو ایک وحشی بدوی سے لیکے بڑے بڑے حکما نے تسلیم کیا اور جس کی مقبولیت عام ہو گئی آج اس تیرہویں صدی میں اسے ایسا مشکل اور پیچیدہ کر دیا ہے کہ دور سے دیکھ کے خوف معلوم ہوتا ہے۔ اسلام جو چند روز میں تمام ادیان عالم پر غالب آ گیا آج خود مسلمان ہی اسے مغلوب کر رہے ہیں اور اس کے سچے شیدائی اس کی اصلی صورت کو ترس گئے ہیں۔ اس خرابی اور پریشانی میں بھی دین خدا اپنا معجزہ دکھا رہا ہے اور اس کی ترقی کی رو تیزی کے ساتھ دوڑ رہی ہے مگر ایک عام پریشانی جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے اس کا کچھ بھی تدارک نہیں ہوتا۔ وہ اسلام کہاں ہے جو رسول کریم کے وقت میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو صحابہ راشدین کے زمانہ میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو محدثوں اور مجتہدوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ڈھونڈتے ہیں پر نہیں پاتے جستجو کرتے ہیں پر اس کا کھوج نہیں ملتا۔ قرآن بھی وہی قرآن ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تلقین کیا صحابہ نے پڑھا اور علما نے اس کی تفسیر کی اور مسائل کا استنباط کیا۔ حدیثیں بھی وہی حدیثیں ہیں جو صدیوں پہلے مسلمانوں میں رائج تھیں تفسیریں بھی وہی تفسیریں ہیں جو صدہا سال پہلے پڑھی جاتی تھیں اور فقہ بھی وہی فقہ ہے جس کا رواج صدیوں سے چلا آتا ہے مگر یہ اختلاف یہ دشمنی اور نفسا نفسی جو آجکل ہے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ کوئی راز ہے جو ابھی تک نہیں کھلا ہے اور کوئی پوشیدہ بات ہے جو عام مسلمانوں کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے۔

موجودہ زمانہ کے علما (الا ماشاء اللہ) فی الحقیقت اسلام اور اس کے اصلی اصول کو سمجھے ہی نہیں۔ وہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے وہ آثار کا علم حاصل کرتے ہیں مگر [illegible] کرنے پر قادر نہیں ہوتے جب رہنما ہی غلط رستہ بتائیں تو بیچارے مقتدی کہاں کے رہے۔ دل چاہتا ہے کہ [illegible] سے موجودہ وقت تک کل اصول اسلام پر ایک

تجویز کی جائے اور پھر اس عالم تفکر کا ایک نتیجہ خیال کے بنایا جائے کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسے کیا سمجھ کر کہا ہے۔ اگر یہ ہے [illegible] بھی ہے کہ شاید ہمارے علمی تفسیر [illegible] ہو اور وہ سمجھ جائے کہ نفس اسلام کیا چیز ہے اور [illegible] ہے۔

صحابہ و تابعین کے زمانے میں تو بجز مذہب اسلام تھا۔ سادہ سے مسائل سادہ سے فرائض قرآن میں حلال کو دخل نہ چون و چرا کی منطق کی پیچیدگی اور نہ استنباط مسائل کا شغلہ۔ کچھ بھی نہ تھا صرف نماز پڑھ لینا اور رمضان المبارک میں روزے رکھ لینا اور سال بھر میں ایک بار بشرط استطاعت حج کر آنا اور صاحب ثروت ہونے پر زکاۃ دینا خدا کو ایک ماننا [illegible] کو برحق ہی ماننا اور بس۔ نہ فقہ کی تراش خراش پیدا ہوئی تھی اور فرائض کی تالیف کی گئی تھی نہ واجب وغیرہ جیسے الفاظ بنے گئے تھے کچھ بھی نہ تھا۔ خلفا کا اسلام ان غیر ضروری امور و راز کار باتوں سے بالکل صاف تھا۔ باہم شبہات میں جھگڑا ہوتا تھا کہ آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ کھول لینا چاہئے یا بطلوع پر جب تک سیاہی نہ چھائے روزہ افطار نہ کیا جائے نہ یہ بات تھی کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے تو نماز ہی ناجائز ہو گئی اور اگر [illegible] اسلام کے دائرے سے نکل گئے۔ نہ وضو کے فرائض اور سوالات بیان کئے جاتے تھے اور نہ موزوں وغیرہ کے مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف یہ کہ جس طرح مسلمانوں نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اسی طرح فرائض نماز ادا کرتے تھے نہ کوئی ایسے بیہودہ سوالات کرتا تھا جیسے آج ہوتے ہیں اور صاف اور سادے مسائل میں کوئی ہیر پھیر نکلتی تھی۔ سب کو ایک ساتھ ہی اشاعت اسلام کا خیال تھا اور یہی خانہ جنگیوں میں ہی انہیں اشاعت اسلام کا خیال نہیں پیدا تھا۔ کوئی تاریخ اور کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث اس کی شہادت نہیں دیتی کہ جن مسائل کو آجکل عین اسلام سمجھ لیا ہے اُن کا کبھی بھی صحابہ کی صحبت میں تذکرہ آیا اور باہم رد و قدح ہوئی۔ کاش وہی اسلام رہتا جو صحابہ کا تھا تو آج تمام عالم میں دوسرے مذہب کا ایک شخص بھی دکھائی دیتا۔

نماز جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مسعود سے ابتک معاشرت اسلامی کا ایک جزو اعظم ہے اور کبھی مسلمانوں سے علیحدہ نہیں ہوئی ہے اس میں فقہا کی ہیر پھیر نے وہ خلل اندازی کی ہے کہ اس وقت کوئی فرد بشر ثابت نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ نے اس طرح نماز پڑھی تھی۔ شیعہ سنیوں میں ہی نماز کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ خود سنیوں میں مالکی حنبلی شافعی اور حنفی بالکل علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں اور طریقہ نماز میں ان چاروں فریق کے بہت ہی اختلاف ہے کیا اسلام کے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ اس کے سب سے بڑے اصول میں یہ اختلاف ہو۔ ان مختلف روایتوں کو غور کرنے کے بعد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی کریم اور صحابہ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجتہدین نے اس اختلاف بہا اگرچہ سے انتشار و وقوع کی ہے مگر ایک دوسرے کے طریقہ نماز پر کوئی فتویٰ کفر نہیں دیا ہے۔ موجودہ علما متعصب [illegible] ہدایت کرے ان اختلافات سے فائدہ اٹھانے کے غضب ہی برپا کیا ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کے طریقہ نماز کو نماز ہی نہیں سمجھتا بلکہ خارج از اسلام سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنی دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ آمین بالجہر جسے خود فقہا نے بھی زیادہ وقعت سے نہیں دیکھا آجکل ایک اصول اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی شخص ایسے

فریق کی سمجھ میں جو آئے علانیہ کو مانتا ہو پکار کے آمین کہے اور وہاں سے سلامت آسکے۔ استغفر اللہ اس پر حملہ کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہو گا اس کی [illegible] تک بلا کی [illegible] سے آخر یہی [illegible] اسلام جو مسلمانوں کے آگے موجود مولوی [illegible] کر رہے ہیں [illegible] نہیں سمجھ میں سے نفس [illegible] جاتا ہے اور یگانگت کا شیرازہ درہم برہم ہوا جاتا ہے۔ اور یہی کسی طرح سے صرف اختلافی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور [illegible] انہیں خونی رنگ دیا جاتا ہے۔ کیا کیا کبھی ان اختلافی مسائل نے غضب نہیں ڈھایا اور کیا کیا آفت مسلمانوں پر نہیں [illegible] مسجد میں [illegible] عدالتوں میں مقدمہ بازی ہوئی اور [illegible] اس مقدمہ [illegible] کو پہنچا۔ کیا کوئی شخص یہی کہ سکتا ہے کہ خیر القرون میں بھی یہ آفت نازل ہوئی تھی [illegible] کو اس قدر خوفناک رنگ دیا جاتا تھا۔ اسلام [illegible] نہیں اور کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں ہے جو اسلام کو [illegible]

کیا ہمارے ان جھگڑوں اور لڑائیوں سے رسول [illegible] کی روح خوش ہوتی ہو گی۔ اُمی نبی [illegible] کس طرح تو اتحاد کی بنیاد ڈالی اور ہم [illegible] کے پھینک دیا۔ وہ سوئے رہا ہم قیامت کے روز اپنے آخر الزمان نبی کو کیا جواب دیں گے اور ہمارا وہاں کیا حال ہو گا۔ ہمارے جہالت نے دنیا کے [illegible] پر ستولی فائدہ اٹھا کے بہت کچھ مسلمانوں کو لوٹا ہے اور ان کے روشن [illegible] خود غرضی کی ایسی تاریکی پیدا کی ہے کہ اب تو اس کے نورانی پرتو کے دیکھنے کے لئے بھی آنکھیں ترس گئی ہیں۔ یہ خود غرض جاہل گروہ جو عام لوگوں کا پیشوا بن بیٹھا ہے بڑا ہی غضب ڈھا رہا ہے اس کے مظالم کی انتہا ہو چکی ہے اور اس کی ملمع بازی حد سے بھی گزر گئی ہے۔ اسلئے ہم نے ضروری خیال کیا کہ اسلام پر بحث کر کے اس کی اصلیت کو بتا دیں شاید عام مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو اور ان کی مذہبی حالت کی اصلاح ہو جب تک مذہب درست نہیں ہو گا دنیاوی حالت کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی خیالات پریشان۔ عقل ڈانواڈول۔ دماغ [illegible] پھر کیوں کر امید ہو سکتی ہے کہ ہماری حالت درست ہو گی اور ہم کچھ ترقی کر سکیں گے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو بلحاظ دین کے ایک عجیب و غریب زمانہ تھا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے ایسی خوشگوار آوازیں سنیں۔ جب دین کی تکمیل ہو چکی آپ کو وصال باری ہو گیا۔ اب صحابہ کا زمانہ شروع ہوا۔ اگرچہ اس زمانہ میں خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں لیکن دین کے لحاظ سے ان میں کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ جو ملک کے متعلق جو لڑائیاں تھیں جو عموماً ہمیشہ ہوتی آئی ہیں اور اس سے کوئی قوم خالی نہیں رہی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم ان ملکی لڑائیوں کو جن میں ذرا بھی مذہب کی آمیزش نہ تھی مذہبی رنگ دیدیں ورنہ غور سے دیکھنے اور توجہ سے سمجھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ مذہب کی جھلک بھی ان لڑائیوں میں نہ تھی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیشہ قوت امن کی ضامن ہوتی ہے اگر کوئی حکمران ضعیف ہے ہرگز اس کی سلطنت میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی غیر بادشاہ حملہ نہ کرے گا تو گھر ہی میں فساد پھیل جائے گا اور جب تک پوری قوت سے حکمرانی نہ کی جائے گی امن ہونا محال ہے۔ زمانہ کی یہی عادت ہے ابتداء سے ہے اور آخیر تک رہے گی۔ یہی فطرت ایک ذرہ سے لگا کے کائنات تک [illegible] ایک دوسرے [illegible] اسلئے ہی کشش کی مضبوط زنجیر سے [illegible] سے جنبش نہیں کھا سکتے اگر آج ایک [illegible]

ڈھیلا ہو جائے تو کائنات کا انتظام آناً فاناً درہم برہم ہو جائے [illegible] کہ اختلاف کرہ کہاں تھا۔ تمام کائنات کے انتظام میں یہی سلسلہ موجود ہے [illegible] ہے کہ [illegible] ہیں جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اگرچہ آپ انتہا درجہ کے رقیق القلب اور نرم مزاج تھے مگر [illegible] حضرت عمر جیسے مدبر [illegible] کے ہاتھوں میں تھیں اس لئے خلافت کا انتظام [illegible] کی سے ہوتا چلا گیا پھر حضرت عثمان [illegible] نے [illegible] جان ڈال دی بہت سے معاملات آپ کی خلافت میں ایسے ہوئے کہ اگر کچھ بھی کمزوری ہوتی تو ضرور بغاوت ہو جاتی مگر جن زبردست قوی ہاتھوں سے آپ سلطنت کی باگ پکڑے ہوئے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ انتظام میں ذرا بھی سلطنت کو جنبش ہونے دیتے مگر جب آپ کی شہادت ہو گئی تو حالت ان لوگوں میں آ گئی جو کمزور تھے وہ سلطنت کا بوجھ ہرگز نہ سنبھال سکتے تھے جس کا ذکر ہم [illegible] ہیں۔

حال [illegible] یہ لکھنا ہے کہ صحابہ کے وقت اگرچہ کئی لڑائیاں ہوئیں [illegible] ہوئی مگر معاملات دین میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی اور ارکان اسلام وہی سب [illegible] تھے جو حضور کے زمانہ میں موجود تھے کیونکہ ان [illegible] کوئی بھی تعلق نہ تھا [illegible] کا کوئی فرق ایسے مذہبی بات کو ملتا ہے اگرچہ [illegible] بنایا گیا مگر ثابت نہیں ہو سکا کہ لڑائی بھی اس وقت مذہبی [illegible] جب صحابہ کا زمانہ گزر گیا تو تابعین [illegible] سے [illegible] کو اسلام کا اصل بیان کرنا شروع کیا [illegible] حقیقت [illegible] بھی [illegible] جو خیالات [illegible] میں داخل ہو چکے تھے اس [illegible] [illegible] بیان کی [illegible] دیا جائے [illegible] کیا ہے اور [illegible] کوئی بات [illegible] نہیں [illegible] کوئی بھی نہیں اس سے [illegible] بیان [illegible] کا دوسرا [illegible] پیدا ہوا جس سے مذہب میں فلسفہ کی چاشنی [illegible] [illegible] امام غزالی، امام فخر الدین [illegible] وغیرہ [illegible] وہ لطیف تھے بیان کئے کہ مذہب میں [illegible] شریعت سے [illegible] دوسرا رنگ اختیار کر لیا مگر اب بھی اسلام میں وہ مشکلات پیدا نہ ہوئی تھیں [illegible] بہت ہی [illegible] بنا دیا ہے حضور [illegible] تعلیم [illegible] ایسی تعلیم جو دنیا نے [illegible] سے [illegible] صفات [illegible] کے متعلق غیر ضروری ہرگز سوال نہ کیجئے [illegible] جو مسلمان ہے جو [illegible] کے سوال [illegible] حرام کر [illegible] اور بھی کئی حدیثیں اسی مضمون کی [illegible] [illegible] سی تدقیق خراش پیدا کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل دریافت کرنے [illegible] مسائل کی چھان بین کرنے سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ انسان کو بہت سی باتوں کا یقین آ جاتا ہے اور بہت سی باتوں کی طرف سے شک میں [illegible] [illegible] اور صفات [illegible] اب تک اس میں [illegible] نہ نکالی جائے اور جب بال کی کھال نکلنے لگی تو پھر اس کی سادگی [illegible] سادگی اور سلامتی کی یہ کیفیت ہر گز باقی نہ رہی

ہو سکتی فرائض میں جب کہ تحمل اور طبیعت کے برداشت کرنے کا لحاظ رکھا گیا ہے بھلا یہ کیوں کر خیال آ سکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ آسان دنیا میں کوئی مذہب ہوگا۔ ایسے شخص کے لئے جو تنگی سے زندگی بسر کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہے اور یعنی انسانی طبائع کی مجبوری کا کس قدر پاس کیا گیا ہے یہ حکم کہیں نہیں ہے کہ اگر جان بھی جاتی رہے جب بھی روزہ رکھو اسی طرح سفر میں ایک خوشحال شخص روزہ افطار کر سکتا ہے۔ ان ہی باتوں کو حدود شرعی قرار دیا گیا ہے اس سے زیادہ آسان مذہب کا دنیا کی کسی تاریخ میں بھی پتہ نہیں لگ سکتا۔

جو فن کہ بعد اناں مدون ہوا اُس کی حضور انور کے زمانہ میں کچھ ضرورت نہ تھی۔ اُن کے عقاید صاف اور تھے ہوئے زمانہ نبوت سے بہت ہی قریب۔ اختلافات کی قلت۔ دل مطمئن۔ اُن امور کی تفتیش کی جو حضور انور سے ثابت ہو چکے تھے انہیں کچھ ضرورت نہ تھی منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا انہیں کبھی خیال بھی نہ آتا تھا چوں کہ اُن کا زمانہ قرن اول کے متصل تھا رجال حدیث اُن کے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے اُن کی باتیں سنتے تھے اور ہر ایک بات کو علمائے ثقات سے دریافت کرتے تھے علم حدیث کی انہیں کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔ غریب حدیثوں کی شرح اسماء رجال کی تحقیقات اُن کے عدالت کے مدارج بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی اسی طرح مشکل احادیث کی شرح۔ احادیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان۔ احادیث کے راویان ضعیف اور صحیح میں تمیز قایم کرنا موضوع کو مردود سے الگ کرنا یہ ساری باتیں فضول اور غیر ضروری تھیں۔ ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی خیالات میں سادگی محسوسات۔ معاشرت اور تمدن میں سہولت یہ اُن کا عنصر تھا۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا فنون بالا کی تدوین کی ضرورت پڑی۔ تدوین کا ہونا تھا کہ اختلاف کا دروازہ کھل گیا اگرچہ وہ اختلاف سبب رحمت بیان کیا جاتا ہے اور تھا بھی اُس زمانہ میں سبب رحمت ہی لیکن اب تو اس اختلاف نے مسلمانوں میں مخالفت پھیلا دی ہے کہ العظمۃ للہ۔

فی الحقیقت اُن کا اختلاف خطری بنیاد پر تھا اور وہ اس اختلاف سے مسلمانوں میں آزادی رائے کی صفت پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن اُن کے منشا کے بالکل خلاف ہوا بجائے آزادی رائے کے اُن میں تقلید کا زہر سرایت کر گیا اور اس نے اخیر ترقی کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ کاش تقلید کی پٹی آنکھوں پر نہ بندھ جاتی تو مسلمان برابر ترقی کرتے چلے جاتے اور کبھی تالاب کے مینڈک بن کے نہ بیٹھتے۔ فقہا کا اختلاف بھی عجیب لطیف اور علمی بنیاد پر قایم تھا اور واقعی ایسے اختلاف سے ایک تعلیم یافتہ دماغ بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے مثلاً سب سے پہلے اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کیا کیا علتیں ہیں اور اُن سے مطلوبہ مصلحتیں کیوں کر حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں بھی معتبر ہوں۔ یہ اختلاف گویا سیڑھی تھی مذہب تک پہنچنے کی اور یہاں سے مذہب میں دخل دیا جانا شروع ہو گیا۔ اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک پیدا ہو گئے اور نقلی نصوص پر عقلی دلائل چسپاں ہونے لگیں۔ منقول کو معقول سے مطابقت دی جانے لگی اور انہیں دین کے مطابق کار آمد خیال کیا گیا اور سمجھا گیا کہ مسلمانوں [illegible] سیدھی راہ صورت سے دور ہو گئی اور یہی طریقہ ہے جس سے اُن کے [illegible] شکوک رفع ہو سکتے ہیں۔

اس میں تو شبہ نہیں کہ [illegible] کی زندگی تک [illegible] کوششیں قرین تدبیر

اور ان کی [illegible] [illegible] اپنی آنکھوں سے
دیکھتے تھے ان کی وفات کے بعد [illegible] مگر [illegible] ان کے سمجھانے والے تھے اور آئندہ
مذہب ہے کہ اسلام کا [illegible] وہ کہاں تک ہے [illegible] یہ تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ
اسرار دین کی تدوین بے فائدہ ہے اگرچہ ان کا [illegible] اس سے غلط نتیجہ کیوں نہ نکالا ہو۔ حضور پر نور جب خود موجود
تھے تو کلام باری کا معجزہ آپ کے پاس ایسا موجود تھا جس کے آگے کل معجزے گرد ہو رہے تھے مگر جب حضور پر نور کا
وصال ہو گیا اور زمانہ گزرنے لگا [illegible] معجزہ نا وجیں لوگوں پر مخفی ہونے لگیں تو علمائے امت نے بڑی عرق ریزی کے بعد
ان وجوہات کو ظاہر کر دیا تاکہ جو لوگ ان کے ہم مرتبہ نہیں وہ قرآن کے [illegible] کو بخوبی سمجھ سکیں۔ علماء میں اکثر حنفیہ کے فروعی
مسائل میں اس بنا پر کہ احکام کی علتیں کونسی مناسب اور کونسی نامناسب ہیں بڑا اختلاف ہے اس اختلاف سے صدہا
پیچیدگیاں حل ہو گئیں اور ہزارہا الجھنیں سلجھ گئیں۔ تاوقتیکہ اس اختلاف کی زنجیروں [illegible] کے اگرچہ اپنے ایمان کی [illegible]
[illegible] کمزور [illegible] لیکن مسلمانوں کے دلوں کو یہ اختلاف قوی بناتا ہے اور بات یہ ہے کہ اسلام کو اس اختلاف سے
[illegible] فائدہ پہنچا ہے جن ناموں سے کہ مسلمان اس وقت پکارے جاتے ہیں وہ نام بہت ہی بعد کے رکھے گئے ہیں
[illegible] ان ناموں سے کچھ سروکار نہ تھا اور صرف باہمی اختلاف کی وجہ سے یہ نام پیدا ہو گئے مثلاً اہل سنت
اس گروہ کا نام ہے جس نے اُن امور کو اختیار کیا جو صاف قرآن و حدیث سے ثابت تھے اُنہوں نے سلف کے عقیدہ پر
[illegible] سے قائم کر لیا اس کی پروا نہیں کی کہ قرآن کے اصول عقلی قواعد کے مخالف ہیں یا موافق مگر انہوں نے
[illegible] کوئی بات ہی کبھی بیان کی تو صرف مخالفین کو الزام دینے کے لئے انہوں نے کبھی دلیلوں سے کوئی فائدہ حاصل
کیا [illegible] اہل سنت کی اصطلاحی تعریف ہوئی تیسری گروہ کی اسلام میں سنی معتزلی شیعی کے الفاظ کچھ معنی نہیں
[illegible] اور ان کے خیالات اور عقاید سے انہی خیالات اور عقاید کے مطابق ان کے نام مشہور ہو گئے
[illegible] میں ایسا پیدا ہوا کہ اس نے عقل کو نقل پر ترجیح دی جہاں انہوں نے اسلام کی کوئی بات اپنے مفروضہ
[illegible] اصول کے خلاف دیکھی انہیں بدلا بالائے طاق رکھ دیا یا تاویل کر کے اپنے خیالات کے موافق چسپاں کر لیا مثلاً معجزات
[illegible] اعمال اور اولیا کی کرامتیں وغیرہ ان کے بہت بہت کچھ جوابات دیئے گئے لیکن ان کا کبھی اطمینان نہیں ہوا اور
انہوں نے تاویلیں کر کے خود ہی اپنا اطمینان کر لیا۔
امور دینی میں ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں کہیں اسکا ذکر نہیں ہے نہ احادیث میں ان کی شہرت ہوئی نہ صحابہ نے
ان کے متعلق کچھ بیان کیا اس لئے اس حصہ پر صدیوں پردہ پڑا رہا اور صاحب سنت کے جھگڑے کے اس کا چرچا ہوا اور بہر وہ
[illegible] دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے۔ علمائے اس حصہ پر دو طرح سے غور کیا اولاً ان مسائل کو [illegible] دلائل سے ثابت
کیا [illegible] انبیا کا فرشتوں سے افضل ہونا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام پر فضیلت
علمائے اُن امور کو سرے سے جزو دین ہی نہیں قرار دیا بلکہ اُن پر [illegible] دین کا سمجھنا موقوف تھا چنانچہ [illegible] کے
جوہر و عرض کے مباحث پھر عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولیٰ باطل اور جزو لا یتجزیٰ ثابت کر دیا

اور یہ امر کہ خدا تعالیٰ نے عالم کو بغیر کسی [illegible] کے پیدا کیا ہے اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے [illegible]
مشہور فلسفی قول کی تردید ہو جائے کہ ایک چیز سے [illegible] نہیں نکل سکتی ہے اور جب تک کہ اسباب و اعادہ کے [illegible]
[illegible] عقلی باطل نہ ہو جائے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا [illegible] اعادہ جسمانی کا مسئلہ جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک معدوم
چیز کا دوبارہ واپس آ جانا ممکن ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔

تیسری صورت اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی تشریح
اور تفسیر کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ میں سمع اور بصر کی دو صفتیں ہیں اب
اس میں اختلاف ہے کہ اس کے سمیع اور بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں۔ ایک گروہ تو مسلمانوں کا یہ کہتا ہے کہ خدا ان چیزوں کو
اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لائق ہیں اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں علیحدہ صفتیں ہیں۔ بعض کا یہ قول ہے
کہ خداوند تعالیٰ حی ہے اور علیم ہے ارادہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے کلام بھی کرتا ہے لیکن بعض کا یہ مقولہ ہے
کہ ان صفتوں سے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں [illegible]
سے صفات منکر اور صفت رحمت۔ غضب اور جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث سے ان میں کچھ فرق [illegible]
بعض کا قول ہے کہ نہیں خدا کی ذات واجب ہی ہیں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علمائے مذاہب متفق ہیں کہ خدا میں [illegible]
اور ضحک کی صفت موجود ہے لیکن بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد نہیں جو ان کے مناسب [illegible]
عرش پر مستوی ہونے سے اس پر غالب آنا مراد ہے اور وجہ سے ذات مراد ہے ایک اور فریق ہے جس نے ان [illegible] کے
حال پر چھوڑ دیا ہے اور صاف کہہ دیا کہ ان الفاظ کی مراد کو ہم کچھ نہیں سمجھتے غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]
کوئی حکمت شریعت اور نصوص نہیں ہے اس لئے ایک فریق کو دوسرے پر کچھ فوقیت حاصل نہیں ہے [illegible]
اہم ہیں کہ اگر ان کی مخالفانہ رایوں کا وزن کیا جائے تو وہ بہت دور تک پہنچتے ہیں اور عوام الناس [illegible]
توجیہات [illegible] ہو جاتے ہیں اگر کوئی نا شناسا یا مورخ پیش کئے جائیں تو ایک فریق دوسرے [illegible]
لگ جائے گا مگر چونکہ ان توجیہات کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کسی کی ذاتی [illegible]
کیوں نہ ہو امت وحدت اسلام سے تعلق نہیں کرتی جس طرح موجودہ زمانہ میں عملی مخالفت سبب کفر خوانی ہے [illegible]
میں اسلام کی ترقی کی وجہ بھی یہی سبب ہے کہ علمائے امت کا اختلاف سبب رحمت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام فی نفسہ ان
جھگڑوں اور قضیوں سے پاک ہے اور اسلام نے ان مختلف فیہ مسائل کو ذرا بھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا ہے مثلاً
خداوند تعالیٰ کا [illegible] ہونا ہے اس مسئلہ کے معنی ہر شخص نے اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق جو کچھ
ہی سمجھ لئے دوسرے فریق کو [illegible] اور کچھ معنی سمجھے ہیں ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اختلاف رائے پر کچھ بدظنی کرے
قرآن مجید کا بہت بڑا معجزہ یہی ہے کہ وہ ہر شخص کی فہم کے مطابق نازل کیا گیا ہے اور ایک جاہل بدوی سے لیکر ایک
فاضل فلسفی تک اس سے اپنے اپنے خیال کے مطابق اطمینان کر سکتا ہے۔ اسلام نے ہر جزو بشر کو [illegible]
وہ ہرگز نہیں کہتا کہ اپنی عقل کو بیکار کر کے دوسروں پر تکیہ کر کے ہو بیٹھو ورنہ [illegible] اپنی خدا داد فراست سے کام نہ لو [illegible]

پہنچتی ہے اگر ہم ایسا کریں ہمیں ان باتوں جو اس سے تعلق رکھتی ہیں کچھ کام لینا چاہیے جو فطرت انسانی سے ہمیں ملا کیے ہیں ہم
تمام چیزوں کی رائے پر تقلید کریں گے تو ہم کس کے پیچھے ہوں گے یا ہم تعصبات کے سبب نظر عقلی کو [illegible] قدر
دل میں اپنے ایک مذہب کے پیرو ہوں یا کسی امر الٰہی کے پیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ
اور علما نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا وہ سب درست ہو یا اپنی دانست میں انہوں نے کسی بات کو کسی [illegible] پر موقوف
کیا ہو اور ان کا توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو یا جس امر کو انہوں نے قابل رد خیال کیا ہو وہ ضعیف [illegible] کے قابل
ہی ہو۔ ان کی رائے اور تفسیر کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہر مسلمان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوں اور بغیر اس کے
نہیں چارہ ہی نہ ہو۔ اس لئے ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن میں علما نے اختلاف کیا ہے اور کسی عالم نے دوسرے عالم
کی ذاتی رائے کو اگر وہ اپنے منافی مطلب ہے حقیقت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

شریعت کے اسرار کا ایک فن علیحدہ ہے اور قدرت نے اس خاص فن کو فی الحقیقت کسی کا حصہ نہیں کیا ہے جس شخص کو
اسلام اور بانی اسلام سے گہرا تعلق ہے جس نے مدتوں تک شریعت کے سربستہ رازوں کی طرف توجہ کی ہو جس نے اپنے
تعلق کو سب لا فروع سے خالی کیا ہو جس نے راتوں کو مجاہدے اور مراقبے کئے ہوں جس نے اپنے قلب کو اس قابل
بنایا ہو کہ اس پر شریعت کے انوار پڑ سکیں اور جس پر خاص خداوند تعالے کا ہاتھ ہو اور جس کے ساتھ وحدہ لاشریک کی خاص
عنایت ہو وہ سمجھ سکتا ہو کہ اسرار شریعت کیا چیز ہیں۔ رسول کریم کی کیا بزرگی ہے اور حضور کے الفاظ کیا وزن رکھتے ہیں
جب تک خداوند تعالے سے کوئی خاص تعلق پیدا نہ ہو جائے گا شریعت کے اسرار تو کبھی نہیں کھل سکتے۔ ہاں ظاہری الفاظ
کو سمجھ لینا اور ان سے اپنے مطلب کے موافق کام لینا یہ دوسری بات ہے اور استغراق سے مغز تک پہنچ جانا اور بات ہے
ہم پر خداوند تعالے نے شریعت کے اسرار کھول دیئے ہیں اور مقام تجلیات باری کا [illegible] نہیں آنکھوں سے معلوم ہو چکے
ہیں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو عوام الناس کے ہرگز سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ اور ان حدیثوں کو دیکھ کے ایک ملحد یا غیر مذہب
شخص ہنسی کیا کرتا ہوگا مگر جنہیں کچھ بھی شریعت کے رازوں اور اسرار الٰہی کا علم ہے وہ ان احادیث کا ایک لفظ بھی خلاف
فطرت انسانی نہیں سمجھے گا۔ مثلاً حضور انور نے ارشاد کیا ہے کہ میں [illegible] شب کو آدھی رات کے [illegible] اور نماز تہجد پڑھ کے
بے [illegible] غفلت کی نیند ہو گئی تو میں نے اپنے خداوند تعالے کو ایک حسین صورت میں پایا اس نے فرمایا اے محمد
میں نے جواب دیا لبیک میرے پروردگار ارشاد ہوا ملا اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہو رہا ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ایسا ہی
تین بار [illegible] ہوا اور تینوں بار میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا پھر خداوند تعالے نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میرے شانوں کے بیچ میں
رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے سینہ پر پایا۔ اسی وقت سب چیزیں مجھ پر ظاہر ہو گئیں اور مجھے ان کا جواب
بھی معلوم ہو گیا پھر ارشاد ہوا اے محمد میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار فرمایا کہ ملا اعلیٰ میں کس بات میں نزاع ہوتا ہے
میں نے عرض کیا کفارات میں فرمایا کفارات کیا ہیں میں نے عرض کیا جماعت کو پا نماز کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد بیٹھے
رہنا [illegible] پھر ارشاد ہوا اور کس بات میں ہے میں نے عرض کیا درجات میں [illegible]
[illegible]

نہیں لگ سکتا۔ اس حدیث میں دو باتیں ہیں ایک بات تو روحانی زندگی اور علو مرتبت سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری
جسمانی تمدن اور زندگی سے تعلق ہے۔ رسول کریم نے خدا تعالیٰ کو دیکھا اس سے باتیں کیں اور باتوں میں جو دونوں کے
درمیان جن امور پر گفتگو ہوئی وہ روحانی ترقیات اور تمدن کے لحاظ سے یکتا ہیں خدا کو مجسم پاکیزہ صورت میں دیکھنا اور اس سے
باتیں کرنا کچھ بھی محال عقلی نہیں ہے۔ آپ تو آخرالزمان نبی تھے اور نبی نوع میں آپ سب سے زیادہ افضل تھے مگر [illegible]
[illegible] ہیں ہے اگر ان کا استغراق حد سے زیادہ ربانی نور میں بڑھ جاتے تو وہ اپنے معبود کو اپنی ظاہری آنکھوں سے
[illegible] اور اس سے باتیں کرتے ہیں اور ان کی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے جو پریشان ہوتے ہیں ان کی تسلی کی جاتی ہے
[illegible] ان پر رحمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے مگر آپ نے ایسے خدا رسیدہ لوگوں کی اس حدیث میں صفات بیان فرما دیں اور
یہ ہیں کہ عبادات الٰہی میں ہی مصروف رہا جائے جسمانی متعلق کا بھی خیال نہ کیا جائے اور تمدن کو [illegible] کے لئے
لوگوں سے [illegible] آیا جائے۔ رسول کریم کا کوئی فعل خواب [illegible] کا مخلوق خدا کی اصلاح سے خالی نہیں ہوتا اس حدیث کو
جتنا غور کیا جائے گا نئے نئے اسرار اور معانی خوض کا انکشاف ہوتا چلا جائے گا۔ یہ میں شریعت کے رموز کا بیان کرنا ہر ایک
شخص کا کام نہیں ہے۔ آپ نے تو اپنے خواب کی ایک ہی بار کی حالت بیان فرمائی مگر فی الحقیقت آپ کی آنکھوں کے سامنے
ہر وقت خدا وند تعالیٰ رہتا تھا اور اس کا ہاتھ آپ کے دو شانوں کے بیچ میں تھا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام جب تک
خدا کا ہاتھ اس میں شریک نہ ہو سر سبز نہیں ہو سکتا یہی حضور نے فیصلہ کیا ہے کہ خدا کا ہاتھ جب میرے شانوں کے
بیچ میں تھا اس وقت مجھے علم [illegible] کے نوع یا انسانی فضیلت کا راز معلوم ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خداوند
تعالیٰ کا ہاتھ کبھی اس شخص کا ساتھ نہیں دیتا جس کے کاموں میں ذاتی اغراض پیچھے ہوئے ہوں اور جس نے مخلوق خدا کی
اصلاح [illegible] سے جو مرتبانی پیش آنے کی طرف توجہ نہ کی ہو ہے جیسا اسلام جسے کہ بولا جاتا ہے اور اس [illegible]
زمانے نئے نئے [illegible] قائم کر کے اپنی انسانی شرافت کو [illegible] ہے حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ خدا کے [illegible]
[illegible] فرشتے ہیں جو بارگاہ احدیت میں مقرب ہیں جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور [illegible]
لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس کے لئے دعا خیر کرتے ہیں جس سے [illegible] ان لوگوں پر برکتیں نازل
ہوتی ہیں [illegible] اور یہ بھی ہدایت ہے پہلے اپنے نفس کی اصلاح ہو اور پھر خدا کی مخلوق کی اصلاح کی جائے اس کا
نام [illegible] نہیں ہے [illegible] کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں چھپ رہے اور عرفان کی صحبت سے نفرت ظاہر
کرے [illegible] سے کام نہیں لیا جو خداوند تعالیٰ نے انسانی ذات میں ودیعت کئے ہیں
تو پھر خلق کی غایت [illegible] اس قسم کی تنہائی میں بسر کرنے کی زندگی اگرچہ عوام الناس کے خیال میں کچھ وقعت
رکھتی ہو مگر خدا [illegible] سے دیکھے تو [illegible] کیا ہیں یہ ان بندگوں کی روحیں ہیں جنہوں نے
اپنی تمام عمر خدا کی مخلوق کی [illegible] اور انسان کی خلق کی غایت پوری کر کے ہمیشہ کی نیند میں ہمیشہ [illegible]
سے جا سوئے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے [illegible] مطمئن رجع تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی واپس آ [illegible]
ہو کے میری جنت میں آجا۔ سب سے بڑی نیک روحیں ہیں جو [illegible] ہیں اور جنہیں ملائک سے تعبیر کیا جاتا ہے

حضور انور ارشاد کرتے ہیں [illegible] کی صحبت میں رہ دو پہروں کے آگو فرشتوں کے ساتھ جنت میں [illegible] ہو سکتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن نفوس قدسیہ کو فرشتوں سے [illegible] قوم کی [illegible] ان کے جنت [illegible] کی بارگاہ [illegible] تقرب حاصل ہوتے [illegible] انسان ہی میں فرشتہ ہونے کی صفت ہے اور انسان [illegible] شیطان بننے کی خاصیت ہے۔ اسے اختیار دیا گیا ہے کہ جو چاہے بن جائے۔ اسلام نے تو ان باتوں کو ایسا صاف کر دیا ہے کہ زیادہ حیل و حجت کی گنجائش ہی نہیں۔ جو نہیں سمجھتے ان کی فہم کا قصور ہے ورنہ اسلام نے تو انسانی معراج کے کل راستے بہت ہی صاف کر دیئے ہیں۔

علوم جدید و مشاہدات کو آج دریافت کیا ہے کہ فطرت کے کاموں میں کسی قسم کی گزارشت یا [illegible] تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا مگر اسلام تیرہ سو برس سے اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے جہاں اس کی کتاب میں بہت تعدد سے بیان ہوا ہے یعنی خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" یعنی خدا کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پائے گا قوانین قدرت میں کبھی تبدیلیاں نہیں ہوا کرتیں جو قوانین روز ازل سے مرتب ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی ہونا ناممکن محض ہے اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے قوانین قدرت کی غیر تبدیلی کی خبر دی ورنہ کل مذاہب نے قوانین باری تعالیٰ میں تصرف کیا ہے اور ان کا یہ تصرف مافوق الفطرت حد سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے "انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکت" یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے اور آدمی نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ بیشک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تاکہ خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے خدا بخشنے والا اور مہربان ہے بیضاوی لکھتا ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونے کی ذمہ داری ہے اور آسمان و زمین پر اس کے پیش کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی استعداد کا اندازہ کیا گیا کہ ان کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا مادہ ان میں ہے یا نہیں اور ان کے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ ان کی طبیعت میں اس کام کے کرنے کی لیاقت اور استعداد نہ تھی۔ اس آیت پر غور کرنے سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو انسان کا اقرار کہ وہ خدا کی امانت اٹھائے گا اور پھر اس کو ظالم اور نادان کہنا۔ سرسری نظر کرنے سے تو اس آیت کے معنی میں پیچیدگی پیدا ہو جائے گی مگر [illegible] سے معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے جب انسان کی ذات میں وہ جوہر ودیعت [illegible] مخلوق میں [illegible] جوہروں سے وہ معبود [illegible] تمیز کر سکتا ہے پھر یہ کتنا بڑا ظلم اور کیسی نادانی ہوگی کہ [illegible] نے مخلوق کو معبود بنائے اور تمام اعلیٰ صفات کو جو روز ازل سے انسانی ذات میں [illegible] و باطل بنا دے اور ذرا بھی اپنی خصوصیت اور بزرگی کا خیال نہ کرے اس سے زیادہ [illegible] [illegible] نہیں دیکھتا۔ [illegible] کی خصوصیت کو بیان کیا اور پھر اسے ظالم اور نادان [illegible]

کہ ان چیزوں سے ہو۔ لہٰذا ہم اپنے حقیقی خالق کو نہیں جانتا ایسے لوگوں کے لئے عذاب تجویز کیا گیا تھا۔ عثمان کی
توبہ قبول کرنے سے بھی انکار کیا ہے ان مسلمان موت کے وقت کی توبہ قبول کی گئی ہے کیوں کہ انہوں نے کچھ تو ان چیزوں
کی قدر کی اور ایمان لاتے وقت ایک حد تک ان کو نہیں جانتا تھا پھر خدا تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے "فاما من
اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری" یعنی جو کوئی کچھ دیگا اور پرہیزگاری کرے گا
اور نیکی کی تصدیق کرے گا تو ہم سہولت کو اس کے لئے آسان کر دیں گے اور جو کوئی بخل کرے گا اور بے پروا ہو جائے گا
اور نیکی کی تکذیب کرے گا ہم دشواری کو اس کے لئے آسان کر دیں گے۔" یہ وعدے وعید ہیں جن سے بخیل اور بے پروا
کے لئے سختی اور پرہیزگار کے لئے سہولت ہے۔ نیکی کی تکذیب کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مطلق واحد کی گوناگون پرستش
کی پہچان نہ کرے اور توحید پرستی اپنی شیوہ نہ کرے اس کا انجام دین اور دنیا دونوں میں خراب ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من
الناس وکثیر حق علیہ العذاب" یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لئے وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں
جو زمین میں ہیں اور سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پہاڑ درخت۔ چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے اور بہت سوں پر
عذاب ثابت ہوا۔ یہاں بھی توحید کا سبق ایک اعلیٰ درجے کے پیرائے میں دیا گیا ہے کہ جب کائنات کے کل اجرام اور کل
مخلوق سجدہ کرتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ انسان اشرف ہو کے خدائے واحد کی پرستش نہ کرے ایسے نافرمانوں کو سزا
دیجائے گی۔ ایسی لطیف اور پُرازحکمت تعلیم توحید کے متعلق سوائے فرقان حمید کے اور کسی مذہبی کتاب میں دیکھنی
نصیب نہیں ہوتی۔ اسلام نے صاف گواہی دی ہے کہ کل گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک کا جرم ناقابل معافی ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ذات کیساتھ یہ گستاخی کیجاتی ہے کہ اس کی ایک ادنیٰ اور ذلیل ترین مخلوق کو اس کا شریک ٹھیرایا
جاتا ہے۔ وہ ذات قدیم ہے اسلئے اس جرم کی سزا بھی قدیم ملنی چاہئے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے شرک کے جرم
کو ناقابل معافی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ شرک کی کبھی بخشش ہی نہیں ہے۔ کوئی مذہب توحید پرستی میں اتنا غلو
نہیں رکھتا جو اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام انسانی جرائم کو خواہ وہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں قابل معافی قرار دیتا ہے مگر
شرک کو معافی کے قابل ہی نہیں سمجھتا۔

اسلام میں جہاں شرک کی بحث ہوئی ہے وہ بحث بہی عجیب لطیف ہے اور اس تمام بحث کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا
ہے کہ اسلام نے ہر فرد بشر کو یا بالفاظ دیگر انسان کو کتنا بلند مرتبہ خیال کیا ہے اور اسے ہدایت کی ہے کہ سوائے خدا
کے نہ کسی کی تعظیم روا ہے نہ پرستش۔ تعظیم کی مراد کسی شخص کی نسبت یہی عظمت سمجھنی کہ وہ غیب کی باتوں پر بھی قادر ہے
اور کائنات کے اکثر امور بغیر اس کی مرضی کے انجام نہیں پاسکتے پھر وہ ولی صوفی ہو یا قطب ابدال یہ سارے
خیالات انسانی شرافت اور توحید پرستی کے لئے سم قاتل ہیں اور فی الحقیقت صداقت کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے
کوئی شخص خواہ کسی قدر پہنچا ہوا کیوں نہ ہو اور ولایت کے سارے مدارج اس نے کیوں نہ طے کر لئے ہوں اور عظمت میں
اس کا درجہ مقرب ملائک سے کیوں نہ بڑھ گیا ہو اس میں ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ غیب کے ایک ادنیٰ جزو کو بھی جنبش

موجودہ زمانہ میں خاص ہندوستان میں جس صورت سے کہ اسلام پیش پایا جاتا ہے وہ اسلام نہیں ہے جو قرآن پیش کرتا ہے
یا جو اسلام کہ آغاز سنین ہجری میں صحابہ کا تھا۔ صحابہ کرام شرک سے اس قدر خوف کھاتے تھے کہ ایک اشارہ بھی مخلوق کے
کسی کام میں نہ تھے دیتے تھے۔ [illegible] کے مثال کے بموجب مسلمان اس درخت کے نیچے آ کے جمع ہونے لگے
جہاں آنحضرت [illegible] کے وعظ فرمایا کرتے تھے اور حضرت فاروق اعظم نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے جمع ہونیکا
شوق عالمگیر ہوتا جاتا ہے اور [illegible] کے ضعیف ہونے کے زمانہ میں اس درخت کی پرستش ہونے لگے
آپ نے فوراً اُس درخت کو جڑ سے اکھڑوا کے پھینکوا دیا۔ یہ تھا اسلام اور یہ تھی توحید پرستی۔ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسی بات
کی جائے تو اس شخص [illegible] علمائے دین کہتے ہیں ان کی عجیب کیفیت ہے وہ خود اول درجہ کی
شرک میں مبتلا ہیں اور ان کا [illegible] شگون سے بھی بڑا ہوا ہے جن کا ذکر بار بار قرآن کریم میں آیا ہے [illegible]
کی حالت ہی اگر اس سے بھی بدتر ہو جائے تو ان کی سزا ہے ان کے اعمال نے اسلام پر دھبہ لگایا ہے اور ان کی [illegible]
عادات نے دین خدا کو بدنام کر دیا ہے مسلمانوں نے اپنی قسمت قبر کے مردوں [illegible] پیروں فقیروں مجذوبوں اور
مجنونوں کی مٹھی میں دے رکھی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر آفت آئے گی یا فلاح نصیب ہوگی [illegible]
کے ممکن نہیں۔ غیر قومیں جب مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھتی ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے [illegible] اسلام ہی تعلیم کرتا ہوگا اور [illegible]
کا سبق جو مسلمانوں میں دیا جاتا ہے یہ سب نابابی ہے خدائے قادر مطلق کے آگے ان سے زیادہ [illegible]
کون ہوگا جن کے اعمال کی وجہ سے اس کا دین بدنام و رسوا ہو۔ خرقی پتھروں کو قدم شریف کہنا اور [illegible]
کو سجدہ کرنا اور محض جہل اور غلط روایات سے اس کی تائید کرنا۔ قبروں کی خشک مٹی اور کہنہ [illegible]
وہ پیشانی اور زانو جو خدائے حقیقی کے آگے جھکنے کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں سخت [illegible]
ٹھیوں کے آگے جھکانا۔ مختلف طاقوں پر سہرا باندھنا اور مٹھائی چڑھانا۔ یہ ساری باتیں منافی توحید ہیں [illegible]
انہیں کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلام حکم نہیں کرتا کہ کسی شخص کی قبر پختہ بنائی جائے یا مقبرے پر کثیر تعداد [illegible]
حضرت علی جب تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے ہیں اور آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ پڑھا ہے تو سب سے پہلے یہ ارشاد کیا تھا
کہ میں اپنا پہلا فرض سمجھتا ہوں کہ اُن قبروں کو جو حد سے زیادہ تجاوز کر گئی ہیں اور اُن قبروں کو جو پختہ بنائی گئی ہیں مسمار کر دوں
ہر مسلمان خیال کر سکتا ہے جب حضرت علی کا یہ حکم ہو اور آپ نے اول ہی روز اپنے خطبہ میں یہ فرمایا ہو پھر ان عظیم الشان
مقبروں کا قایم رکھنا اور ان کی پرستش کرنا کس قدر منافی اسلام ہوگا۔ اگر تمام مزار منہدم کر دیئے جائیں اور شریعت غرا کے حکم
کے مطابق انہیں زمین کے برابر کر دیا جائے اور ان کے مصالح کی قیمت سے حدیث و قرآن کے مدارس کھولے جائیں تو
مسلمانوں کو بہت فائدہ ہو شرک کی بنیاد اکھڑ کے پھینک جائے اور پھر توحید میں جو اس وقت مردہ ہو رہی ہے جان [illegible]
اگر حضرت عمر یا حضرت علی جیسا خلیفہ پیدا ہوتا بھی اس پر عملدرآمد ہو سکتا ہے۔

ہندوستان [illegible] ایک شہر میں پھر کے دیکھو تو [illegible] حالت مسلمانوں کی معلوم ہوگی۔ اسلام آنکھ
[illegible] پیچھے لگا [illegible] خاص پنجاب میں [illegible]

ایسے مزار ہیں جو بالکل فرضی ہیں اور ان میں کبھی کوئی دفن ہی نہیں ہوا۔ محض دنیا طلبی کے لئے دکانیں کھول رکھی ہیں
اور شب و روز اسلام کی روشن تعلیم کو مٹایا جاتا ہے۔ کیسی تعلیم انگلش کی تہذیب اور کہاں کی جدید ترقیاں اور مصلحان قوم
کی دہائی دینا۔ تحریریں ان لوگوں کے کانوں تک ہی نہیں پہنچیں۔ اصلی اکثریت کروڑوں مسلمان ایسے ہیں کہ جنہوں نے کتابیں
دیکھنا تو کجا ان مصلحان قوم کا نام تک نہیں سنا۔ انہیں کچھ خبر نہیں کہ زمانہ کی کیا کیفیت ہے۔ بالآخر ان کا انجام کیا ہوگا
وہ کس طرح برباد ہوئے جاتے ہیں اور ایک دن مٹ جائیں گے۔ یہ سن کے تعجب ہوگا کہ جب ترکوں اور یونانیوں کی جنگ
ختم ہو گئی ہے اور مجھے بعض حصص ہند میں جانے کا اتفاق ہوا۔ کسی موقع پر یونان و روم کی جنگ کا ذکر آیا تو کئی مسلمان
سخت تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ ہائیں لڑائی کیسی یونان کا تختہ تو الٹ چکا پھر روم کیوں کر لڑا۔ یہ سنتے ہی سناٹا سا آگیا
اور مسلمانوں کی اس جہالت سے سخت صدمہ ہوا۔ حالانکہ یہ مسلمان عربی فارسی خاصی پڑھے ہوئے تھے۔ اگر کل اردو اخباروں
کی اشاعت کا اندازہ کیا جائے تو شاید پچاس ہزار سے زیادہ نہ ہو اگر یہ تعداد کم معلوم ہو تو ایک لاکھ کر لو تو گویا چھ کروڑ ہندوستان
کے مسلمانوں میں صرف ایک لاکھ مسلمان دیکھتے ہیں۔ ان میں ایک دو ہزار ان مسلمانوں کی تعداد بھی شریک کر لی جائے جو
انگریزی اخبار دیکھتے ہیں چلو بس فراغت ہوئی پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ اس عام تعلیم ہونے کے زمانہ میں جب یہ کیفیت
ہو تو پھر کیونکر تعلیم یافتہ جماعت تہذیب اور شائستگی کا ان پر اثر ڈال سکتی ہے۔ مسلمانوں سے بالکل مایوسی ہو گئی ہے
اور کبھی امید نہیں ہو سکتی کہ وہ حالت درست کریں گے۔ مسلمانوں میں بت پرستی کی صدہا رسمیں مروج ہیں اور وہ ایسی رسمیں
ہیں جن سے اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلام ایسی شرک اور بت پرستی کی باتوں سے بالکل پاک ہے اور مسلمانوں
کی خرابی ہرگز اس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ تمام ہندوستان میں پھر کے اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حالت
ایسی خراب ہے کہ کبھی نہ ہوئی تھی ان کے پیشوا انہیں دن دہاڑے لوٹ رہے ہیں اور صرف ان کے گاڑھے پسینہ کی
کمائی پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں بلکہ ان کے مذہب کی بچی کھچی پونجی پر بھی دست شفقت پھیرنا شروع کر دیا ہے۔ ہزارہا جدید
مزار بن گئے اور ہزاروں فرضی اشخاص کے عرس ہونے لگے قصبات میں اور بھی غضب نازل ہے فرضی قبروں پر زبردستی
سجدے کرائے جاتے ہیں ایک غضب نازل ہو رہا ہے اور کوئی نہیں پوچھتا کہ آخر یہ کیا آفت ہے اسلام نے تو ان
باتوں کی کبھی تعلیم ہی نہیں کی تھی پھر یہ باتیں مسلمانوں میں کیوں کر پیدا ہو گئیں صرف اس لئے ہی کہ ہمارے پیشوا عبداللہ درہم
اور عبدالدینار بن گئے۔ دینی دکانیں ہزاروں کھل گئی ہیں اور مریدوں نے خدائے مطلق و واحد کے اختیارات پیروں
اور مولویوں کو سونپ دیئے ہیں۔ پس مشکل کشا ہیں تو وہ ہیں اور حاجت روا ہیں تو وہ ہیں ان کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں
عرش ان کا کرسی ان کی فرشتے ان کے کائنات ان کی اور خدا ان کا۔ بعینہ وہی کیفیت ہے جو یہودیوں کی قبل از اسلام
اور عیسائیوں کی بارہویں تیرہویں اور چودہویں صدی میں تھی۔ اسلام میں ان باتوں کا پتہ نہیں ہے اور نہ اسلام نے کبھی
ایسے امور کو جائز ٹھیرایا ہے۔ اسلام قضا و قدر پر ایمان لانے کا حکم کرتا ہے اس نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ خدائے
تعالیٰ کا ازلی اور ذاتی علم تمام ان چیزوں پر محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہوں گی۔ یہ محال ہے کہ اس وقت کسی
ایسی چیز کا وجود ہو جو اس کے علم میں نہ تھی وہ سب پر محیط ہے۔ [illegible] یہ ایسی ہی ذات وحدہ لاشریک

کی جماعت کرنی ہزار نیکیوں کی ایک نیکی ہے۔ شریعت نے اس معلوم مگر سنہیں [illegible]
تین مقدمات کی وجہ سے قسمت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے آگے [illegible]
متفاق کیا ہے اور وہ تین مقدمے یہ ہیں۔

(۱) خدائے تعالے منعم حقیقی ہے اور منعم کا شکریہ واجب ہوا کرتا ہے [illegible] نعمات کا [illegible]

(۲) خداوند تعالے نے باعتبار احدیت سے اور حق کرنے والوں اور دنیا [illegible] کے [illegible] والوں کو [illegible]
سزا دیتا ہے۔

(۳) خدائے تعالیٰ اخیر میں نافرمانی کی سزا اور اطاعت کی جزا دے گا۔ ان مقدمات سے [illegible]
(۱) انعامات الٰہی کا یاد دلانا (۲) انتقامات خداوندی کا یاد دلانا (۳) معاد کے حالات کا یاد دلانا۔ قرآن [illegible]
کی تشریح کی ہے۔ ہر جگہ اسی کا بیان ہے اور ہر مقام پر اسی سے بحث کی گئی ہے۔ خدائے تعالے نے اپنی نشانیوں [illegible]
شعائر کی تعظیم کی نسبت بھی اشارہ کیا ہے مثلاً فرماتا ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب" یعنی دلی تقویٰ
میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم ہی ہے۔ اب سمجھنا چاہیے کہ خدا کے شعائر کیا ہیں۔ خدا کے شعائر یہ ہیں (۱) قرآن (۲)
رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم (۳) نماز۔ قرآن گویا ایک فرمان خدا ہے جب تک اس کی تعظیم نہ ہوگی خدا کی تعظیم نہ
ہو سکتی جس طرح ایک سلطان کے فرمان کی تعظیم فرض ہو جاتی ہے اور فرمان ہی کی تعظیم سے سلطان کی تعظیم منسوب ہوتی
ہے اسی طرح قرآن کی تعظیم گویا سیدھی سے خدا کی تعظیم کی۔ اور قرآن کی تعظیم یہی ہے کہ اس کے احکامات کو مانا جائے اور امر
پر کاربند ہونا اور نواہی سے بچنا عین تعظیم اسی کو کہتے ہیں جب قرآن پڑھا جائے تو اسے نہایت خاموشی سے سنا جائے
اور اس کے احکام کی تعمیل کیجائے۔ سجدۂ تلاوت کیا جائے [illegible] کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کیجائے۔
بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کعبہ کی تعظیم یہ ہے کہ [illegible] نہ کریں نماز اس کے سامنے کھڑے
ہوں۔ مسجدوں کی تعظیم یہ ہی کہ انہیں بنا دی جائے اور [illegible] تعظیم کرے [illegible] سے مکانوں کی تعظیم یہ ہے
کہ بچوں اور صفائی سے بڑھے اور ایسا کام کرے جس میں خیال [illegible] شعائر اللہ یہی ہیں خدا کی نشانیاں۔ ہم [illegible]
مسلمان مذہب مذہب کون ہو سکتا ہے سبب ہماری بدبختی ہے کہ ہم اسے ہوا بنا لیں اور ایسا خراب کریں کہ دیکھنے والا نفرت کھائے۔

(نماز)

نماز ایک عجیب چیز ہے جس نے تمام عمر میں ایک بار بھی پڑھ لی اسے اسلام کا مزا آگیا۔ ہم سوں تک ٹکریں لگانا اور محض
بوجھ سمجھ کے اسے ٹالنا یا لوگوں کے دکھانے کے لئے سجدے کرنے لگنا یہ نماز نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ استہزا کرنا ہے۔
نماز ایک روحانی معراج ہے جو ہر وقت خدائے تعالے کے پاس پہنچاتی ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب دل کے ساتھ تمام اعضا
حرکت کرتے ہیں اور سجدہ جہاں اپنے معبود حقیقی کی طرف ہوتا ہے اس وقت انسان کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ پیر [illegible]
حرکت نہیں کر سکتے ہاتھ ہیں وہ بندھے ہوئے ہیں گردن ہے وہ نیچی ہے اور آنکھیں ہیں وہ خاموشی [illegible]
دیکھ رہی ہیں خیالات ہیں وہ سب ایک جگہ جمع ہیں۔ جس وقت یہ حالت ہو جاتی ہو کہ عضو عضو اپنے معبود برحق کے آگے

[illegible] کی روحانی معراج کا سبب خداوند تعالےٰ سے مخاطب اس کے حضور میں کھڑا ہوا
[illegible] ہی سے تو مجھ سیدھے راستہ چلا تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور تیری
[illegible] اس کی زندگی کسی مومن کے قلب پر پہنچ جاتے ہیں خداوند کے
[illegible] میں تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں یہی حالت مشاہدہ کرتا ہے جیسا
[illegible] حافظ شیرازی نے بھی اشارہ کیا ہے۔

[illegible] عارف سالک بکس نگفت ٭ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

[illegible] نماز پڑھتے وقت اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ یہ حالت
[illegible] یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے اُن افعال اور اقوال کے ذریعہ سے
[illegible] مناجات کرنے کے لئے مقرر ہیں ہو جاتی ہے نماز میں پہلی امر تین ہیں (۱) خدا کی بزرگی اور جلال دیکھ
[illegible] (۲) خدا کی بزرگی اور اپنی خاکساری کو سچے دل سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے مطابق
[illegible] آداب کا استعمال مثلاً ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ ٭ یدی و لسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو۔ نماز کی تاکید قرآن مجید میں
ہر ہر مقام پر آئی ہے اور نماز ایک ایسی چیز ہے جس نے ایک لمحہ بھی دل لگا کے پڑھی ہے اسی کا دل خوب جانتا ہے اس
میں شک نہیں کہ مومن اور غیر مومن کی شناخت صرف نماز ہی ہے اور یہی رسول کریم نے ارشاد کیا ہے مگر نماز ایسی نماز
نہ ہونی چاہئے کہ جو بیگار معلوم ہو اور زبردستی ٹکریں ماری جائیں۔ نمازی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کوئی بدی کسی سے
نہیں کر سکتا۔ فریب نہیں دے سکتا اور نہ یتیم کا مال غصب کر سکتا ہے جسے پانچ وقت خدا کے آگے حاضر ہونا پڑے اور
اُس کی مناجات پڑھنی پڑے وہ کس طرح کوئی گناہ کی بات کر سکتا ہے۔ مگر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور دنیا کے تمام عیب
کرتے ہیں اور عادتاً پانچ وقت کھڑے ہو کے ٹکریں مار لیتے ہیں اُن کی واقعی نماز نہیں ہوتی اُن کا پڑھنا اور نہ پڑھنا
یکساں ہے رسول کریم نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ نمازیوں سے مسجدیں بھر جائیں گی لیکن نمازی
کوئی نظر نہ آئے گا فی الحقیقت یہ بھی پیشین گوئی تھی جو اس زمانہ میں پوری ہوتی اور ہم اپنی آنکھوں سے اس پیشین گوئی
کو پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور بت پرستی کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور زناکاری کرتے ہیں نماز
پڑھتے ہیں اور چوری کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں
غرض اس وقت تو نماز کو ایک ٹٹی بنا رکھا ہے اور اُسی کی آڑ میں بہت آزادی سے جی بھر کے شکار کھیلا جاتا ہے۔
ایسی نماز کو کبھی نماز نہیں کہتے بلکہ یہ ایک قسم کا جرم عظیم ہے اور بہت بڑی توہین ہے جو اسلام کے سب سے بڑے رکن کی
کی جاتی ہے ہاتھ میں پانسو دانوں کی تسبیح۔ ماتھے میں گٹا پڑا ہوا۔ لمبی ڈاڑھی۔ نیچا کرتا۔ ٹخنوں سے اونچا پائجامہ یہ
خاص صورت ہے اُس شخص کی جس نے دنیا طلبی کی دھن میں خدا کی طرف سے پیٹھ پھیر لی ہو اور اپنی بزرگی اور

تقدس کی شہادت دے کے اپنے کو بزرگ اسلام تسلیم کرتا ہو۔ اگرچہ اس قسم کی وضع کسی زمانہ میں بزرگان دین اور اولیائے کرام کی ہوتی ہوگی مگر اب تو ایسے شخص کی نسبت کبھی بھی بزرگی کا خیال نہیں ہو سکتا الا ماشاء اللہ۔

ایک خونی ڈاکو کا سچا واقعہ یاد آیا کہ اس نے باقصد سے صدہا بیگناہ مسافروں کو قتل کر ڈالا تھا اور اس کی تلوار کبھی معصوم بچوں کے گلے پر چلنے سے نہیں رکی اور سینکڑوں معصوم بچوں کی گردن پر مگر یہ شخص نماز کا اس قدر پابند تھا کہ ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوتی تھی ایک دفعہ اس نے بہت بڑی برات لوٹی اور اس نے چند عورتوں اور کچھ معصوم بچوں کو گرفتار کیا چونکہ اس کا بیٹا کسی قدر کم عمر تھا پہلے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بڑھیا عورتوں کو اس سے قتل کرواتا تھا جب اس نے ایک نوسالہ بچہ کی طرف اپنے بیٹے کو چلنے کو کہا تو اس کی روح کانپ گئی کیونکہ وہ بچہ خوف کھا کے اپنی ماں سے لپٹ گیا تھا اس کے جھجکنے میں اس بیرحم ڈاکو نے اپنے لڑکے کو نامرد کہہ کے تھپڑ مارا اور اس معصوم بچہ کو اس کی ماں سے زبردستی چھڑا کے وہیں زمین پر لٹایا اور گلے پر چھری پھیر دی اور کہا دیکھا اس طرح ذبح کیا کرتے ہیں۔ غرض اسی قصائی پنے سے سب کو قتل کر کے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا کیا ایسے شخص کی نماز واقعی کوئی وزن رکھتی ہے اور کیا ایسا شخص فی الواقع خدا سے استہزا نہیں کرتا۔

خداوند تعالٰے نے قرآن کریم میں صاف فرمایا ہے کہ نماز برائیوں سے باز رکھتی ہے مگر جن نمازوں نے برائیوں سے باز ہی نہیں رکھا وہ نماز ہی کیا ہوئی۔ نماز میں بہت بڑے بڑے اسرار الٰہی ہیں اور انہیں ایک عارف کی آنکھ اچھی طرح دیکھ سکتی ہے۔ نماز بچوں کا کھیل نہیں ہے جتنا پاک اور صاف دل سے غور کرو گے نماز میں وہ وہ دقائق اور شریعت کی باریکیاں حل ہوتی چلی جائیں گی کہ معمولی طور پر ان کا خیال ہی کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں پہ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے جو خداوند تعالٰے نے تمہیں دی ہے اس کو لو اور اپنے معبود حقیقی کا شکریہ ادا کرو اور سمجھو کہ تقرب باری تعالٰے کا یہی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے سچی نماز سے دل کے آئینہ کا صیقل اور روحانی ترقی [illegible] کہ دنیا وی [illegible] عزت [illegible] دولت ہے ایک سچا نمازی یہ خوبی سمجھ سکتا ہے کہ [illegible] کی بارگاہ [illegible] ایک منصف اور تمام حاکموں کا ایک حاکم ہے اور جس [illegible] کی کوئی [illegible] ہے۔ اس خیال کے آنے کے بعد ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولے یا کسی کا حق غصب [illegible] خلاف مرضی باری تعالٰے کرے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایسا بہت باز اور رحیم شخص دنیا میں [illegible] ایک حد تک کسقدر کامیابی ہوگی۔ جو سچی نماز نہیں پڑھتے وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ مضحکہ کرتے ہیں۔ تمام عمر سجدے کرتے ہوئے گزر جاتی ہے لیکن لعنت کا طوق ان کی گردن سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتا۔

(زکوٰۃ)

خداوند تعالٰے فرماتا ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم الخ یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے راہ خدا میں نہیں خرچ کرتے انہیں عذاب کی سخت خبر دے قیامت کے دن ان کی پیشانیاں اور پہلو کی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کے داغ دیئے جائیں گے یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو روپیہ جمع کر کے

راہ خدا میں نہیں خرچ کرتے ۔ راہ خدا قوم کی اُن ضرورتوں کو کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اسے لاحق ہوتی رہتی ہیں اگر مالدار نے قوم کی ایسی ضرورتوں پر خیال رجوع نہیں کیا اور اپنا سونا چاندی بند کر کے رکھ دیا تو ایسے لوگوں کی سزا قطعی وہ ہوگی جو خدا تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ ایک شخص نے محنت کر کے روپیہ جمع کیا کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس سے روپیہ کے لینے میں زبردستی کرے اس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ روپیہ دے اور قوم کی اس سے کچھ مدد کرے۔ بات یہ ہے کہ روپیہ جو کسی دولتمند نے جمع کیا ہے فی الحقیقت اس کی ذاتی محنت کا نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے ہم قوموں کی مدد اور محنت سے یہ فائدہ اٹھایا ہے۔ دنیا میں ایک دولتمند بھی ایسا نہیں ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ صرف اس کی محنت سے کل روپیہ پیدا ہوا ہے ہر دولتمند کے روپیہ کے ساتھ مسکین مزدوروں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی کا حصہ شامل ہے اگر یہ بے زبان مزدور اپنا خون پسینہ ایک نہ کرتے تو محض ناممکن تھا کہ کوئی شخص روپیہ جمع کر سکتا چونکہ ہر دولتمند کی کمائی میں ان محتاجوں کا حصہ ضرور ہوتا ہے اس لئے ہر روپیہ والے کا فرض ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو قوم کی مدد کرے اور جہاں تک اس سے ممکن ہو اس میں کوئی کسر نہ رکھے۔

یہ ایک بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اور قومی ترقی کی اس سے زیادہ کوئی سبیل ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس خداوندی حکم سے مسلمانوں میں طریقہ خیرات بہت ہی شدومد سے جاری ہے اور یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ دینے والی دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے ان کے خیرات کرنے کی ادنیٰ دلیل یہ ہے کہ اس ناداری اور مفلسی میں بھی مسلمان فقرا کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ صرف ان کے دینے کی وجہ ہے کہ اس قدر فقیر دکھائی دیتے ہیں اگر وہ ہاتھ روک لیں تو ایک شخص بھی بھیک مانگتا ہوا نظر نہ آئے۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ ان بازاری فقیروں کا دینا کچھ ثواب ہے اور آیا ان کی اس حالت میں مدد کرنا کہ جب وہ موٹے تازے اور قوی ہیں قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے [illegible]

[illegible] مسلمانوں کی بربادی [illegible] بڑا سبب یہی ہے کہ ان کا کروڑہا روپیہ سالانہ ایسی جگہ خرچ ہوتا ہے [illegible] نہیں کوئی اجر اس کا نہیں ملنے کا۔ وہ روپیہ جو ان کا جزو زندگی ہے برباد ہو رہا ہے مگر کوئی آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا [illegible] وہ قوم کی ایک وقت اصلاح کر سکتے تھے اسے اندھے کوئیں میں ڈال رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں [illegible] سے قیامت کے دن بازپرس کی جائے گی اور اس نہیں اس کی کافی سزا ملے گی کہ تم نے جزو زندگی کو کیوں لٹایا۔ مسلمان ہزاروں روپیہ اپنے پیروں کو دیتے ہیں جنہوں نے نجات دلانے کا ان سے وعدہ کر لیا ہے۔ مسلمان غیر ضروری مساجد بنوانے میں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جنت میں ہمارے لئے سونے کا محل تیار ہو رہا ہے مسلمان ہزارہا روپیہ مزاروں کی تعمیر میں خرچ کرتے ہیں جو فرمودۂ رسول کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان ان دنیا پرست مولویوں کا گھر بھرتے ہیں جنہوں نے اسلامی دنیا میں ایک اودہم مچا رکھی ہے۔ مسلمان ان موٹے تازے فقیروں کو دیتے ہیں جنہیں ایک پیسہ بھی دینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ مسلمان مذہبی و رسمی تقریبات میں روپیہ اپنی کمائی لٹاتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے جنت کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا یہ تو وہ ہیں جنہیں مذہبی خیال کر کے روپیہ لٹاتے ہیں اور ان کے علاوہ وہ رستے ہیں جنہیں وہ خود شیطانی سمجھتے ہیں لیکن روپیہ برباد کرتے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے کاش ہندوستان کے مسلمانوں کے اخراجات ایک سال

کے لئے بند کردیئے جائیں اور کل روپیہ جمع کر لیا جائے تو اس سے قوم کے بڑے حصہ کو بہت ہی فائدہ پہنچے۔ کئی دار العلوم مثل جامعہ کے وہ ایک ہی سال میں قائم کر سکتے ہیں اور عربی علوم اور عربی زبان جو اس وقت دم توڑ رہی ہے پھر دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے۔ تمام ہندوستان میں مشکل سے چند مسلمان ایسے نکل سکتے ہیں جن کا روپیہ بے ضرورت صرف نہیں ہوتا ہو گا بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے روپیہ پر پانی پھر رہا ہے اور اس کا کچھ بھی معاوضہ انہیں نہیں ملتا۔ مسجدوں کی تعمیر چند سال کے لئے ملتوی کر دی جائے پیروں مولویوں فقیروں اور بہروپیوں کو دینا بند کر دیا جائے تو آج قوم کی حالت درست ہو سکتی ہے ایک شخص کہاں تک کما سکتا ہے اور اس کی دولت کیوں کر بچ رہ سکتی ہے۔ ایک مسلمان ہے اور اس کے پیچھے ہزاروں خرچ لگے ہوئے ہیں وہ بیچارہ کیوں کر سلامت رہ سکتا ہے۔ اپنا خرچ۔ بال بچوں کا خرچ۔ اپنے مفلس رشتہ داروں کا خرچ۔ فقرا کا خرچ۔ مولویوں کا خرچ۔ مزاروں پر نیاز نذر چڑھانے کا خرچ۔ مسجدوں کا خرچ آخر وہ مظلوم کیا کیا کرے اور کیوں کر ان فضول اخراجات سے روپیہ بچا کے اپنی زندگی کی آئندہ ضرورتوں کے لئے رکھا کرے۔ اسلام نہیں حکم کرتا کہ مولویوں کی پرورش کی جائے۔ اسلام نہیں حکم کرتا کہ بلا ضرورت جدید جدید مسجدیں تعمیر کی جائیں جبکہ ہزارہا شاہی مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں اور ان کی آبادی کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ اسلام نہیں کہتا کہ پیروں کو اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی کا حصہ دار بنایا جائے جبکہ اپنے رشتہ دار اور قوم کے یتیم بچے برباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام ہرگز حکم نہیں کرتا کہ شکم پرور اور عبد الدرہم مولویوں کو دیکھو اور قومی ضروریات ہاتھ پھیلا پھیلا کے مدد مانگ رہی ہیں۔ اسلام جو کچھ حکم کرتا ہے وہ یہ ہے اور یہ نص صریح ہے اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ والدین کے ساتھ سلوک کرو پھر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اور پھر یتیموں کے اور پھر مساکین کو کیا آج خود مسلمانوں کی قوم میں ہر شہر اور ہر قریہ میں ایسے محتاج موجود ہیں جو بھیک نہیں مانگ سکتے اور نہ کسی کے آگے اپنا دکھڑا کہتے ہیں فاقہ کشی کر کے مر جاتے ہیں مگر اف نہیں کرتے ان سے کوئی بخیر بو نہیں کہ ان کا نام کی خیرات کا ہاتھ آج تک مستحق اشخاص تک بھی پہنچتا ہے۔ یہ ہرگز خیرات نہیں ہے کہ ہم پیشہ ور فقیر اور پیشہ اشخاص کو دے دیتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے فرمودہ خدا کی تعمیل کر لی قیامت کے دن ضرور ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے حقداروں کا حق کیوں نہیں پہنچایا اور کیوں اپنا روپیہ غیر مستحق کو دے کے برباد کیا۔ اسلام کے تو وہ حکیمانہ اصول خیرات کے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اس کے علاوہ جتنی خیرات کی جاتی ہے وہ خدا و رسول کے فرمودہ کے خلاف ہے۔

اسلام کی آسانیاں

دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں پیش کیا جا سکتا جو اسلام سے زیادہ آسان ہو اگرچہ موجودہ زمانہ میں اسے ہوا بنا رکھا ہے لیکن اسلام جس کا نام ہے وہ ہوا نہیں ہے اور نہ اس میں ان مشکلات کا پرتو بھی ہے جو آجکل علانیہ پیش کی جاتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک یعنی خدا کی رحمت کے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دلی سے پیش آؤ گے لوگ تمہارے پاس نہ پھٹکیں گے پھر فرماتا ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" یعنی خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا جب حضور انور نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر

روانہ کیا تو یہ ارشاد کیا کہ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا وتطاوعا ولا تختلفا یعنی آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کو خوش کرنا نہ متنفر بنانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا پھر حضور یہ بھی ارشاد کرتے ہیں

یعنی تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو حضور انور نے ہمیشہ ساری باتوں کی کوشش کی ہے کہ دین میں آسانی پیدا ہو اور آپ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوئے آپ کی کامیابی کا ادنیٰ ثبوت یہ تھا کہ ایک وحشی بدو پانچ منٹ میں کل ارکان اسلام سمجھ کے چلا جاتا تھا اور پھر دوبارہ اسے دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی اس سے زیادہ اور آسان مذہب کیا ہو سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کا وہ اسلام ہے کہ اگر فہمیدہ شخص بھی سمجھنا چاہے گا جب بھی برسوں میں بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائے کہ ایک بے لکھا پڑھا سمجھ سکے کیا آسان اصول ہیں خدا کو ایک جانو محمد عربی کو اس کا برحق نبی مانو قیامت اور روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھ لو، روزے رکھ لو اور استطاعت ہو تو عمر میں ایک بار حج کر لو۔ بس یہی اسلام ہے اور یہی دین خدا ہے۔ نہ کسی مجتہد کا یہاں کام ہے اور نہ ہدایت کے لئے کسی پیشوا کی ضرورت ہے پیر پرستی گور پرستی یا گوسالہ پرستی کے یہ معنی ہیں کہ اصول اسلام کی ہوا تک نہیں لگی نہ اسلام کو مجتہدوں کے اختلافی مسائل سے غرض اور نہ ملکی لڑائیوں سے سروکار حضرت عثمان شہید ہوئے تو اسے اسلام سے کیا تعلق تھا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لڑائی ہو تو اسلام سے کیا تعلق امیر معاویہ حضرت علی سے لڑے تو اسلام سے کیا واسطہ علمائے لاکھوں اختلافات سے نفس اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے یہ ان کی موشگافیاں تھیں اور جن کی انہیں ضرورت آپڑی تھی ان کی کوئی بات قرآن مجید کے آگے کچھ وزن نہیں رکھتی جو کچھ انہوں نے لکھا ان کی ذاتی رائے تھی جس کے ماننے کے لئے کوئی مسلمان مجبور نہیں کیا گیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنے کو ان کا حلقہ بگوش بنا لیں اور آنکھیں بند کر کے ان کے ساتھ ہو لیں ورنہ اسلام تو اندھی تقلید کا دینی معاملات میں کہیں بھی حکم نہیں کرتا۔

اسلام میں آسانی کی چند صورتیں ہیں (۱) اطاعت کے لئے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط نہ قرار دی جائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو اس کی نسبت حضور انور ارشاد کرتے ہیں "لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ" یعنی اگر میں اپنی امت کے لوگوں کے لئے دشوار نہ سمجھتا تو ہر نماز میں مسواک کرنے کا حکم دیتا (۲) بعض امور طاعت منجملہ امور موہوم کے قرار دیئے جاتے ہیں جن پر غیر موسیٰ باتوں کی اجازت ہے ان سے مقصود ان امور میں داخل کرنا چاہئے جن کو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں مثلاً عیدین جیسا حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ یہودی جان لیں ہمارے مذہب میں کتنی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے کو زینت دینا اور عمدہ عبادات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا۔ (۳) اطاعت میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اس کی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کے ایک دوسرے کی معاون بنی رہیں اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ صاف رکھنا جمعہ کو غسل کرنا۔ خوشبو لگانا مسنون ہے۔ قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھنا۔ اذان کا خوش آوازی سے دینا مستحب قرار دیا گیا ہے جن باتوں سے لوگ بالطبع متنفر ہوں ان پر سے گرانی دور کی جائے۔ اسی لئے اعرابی غلام کی امامت مکروہ خیال کی گئی ہے بالطبع لوگوں کی عادت ہے کہ اس قسم کی امامت سے دل گرفتہ ہوتے ہیں (۴) وہ امور جن کا بجالانا خود ... کئے جائیں جو اکثر

لوگوں کی طبائع کے موافق ہوں یا ان امور کے ترک کرنے سے ان کی دلشکنی معلوم ہوتی ہو جیسے سب سے زیادہ امانت کا مستحق سلطان وقت یا ملک خاں قرار دیا گیا ہے (۶) اسباب کا حصول کر لیا جائے کہ لوگوں کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر ان امور کا نقش ہو جائے اصلاً وقت وہ نوشیں کے بیٹھ رہیں (۷) حضور انور جن امور کا لوگوں کو حکم کرتے تھے پہلے خود ان پر عمل فرماتے تھے تاکہ ہر ایک بات کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ قول سے زیادہ فعل کا اثر بہت پڑتا ہے۔ (۸) ہمیشہ رب الافواج کی عالی بارگاہ میں یہ التجا رہے کہ لوگوں میں تہذیب اور شائستگی آجائے اور وہ کامل بن جائیں۔ (۹) جو شخص بعد فہمائش کے بھی حق سے سرتابی کرتے اس کو ذلیل اور محروم کر دینا چاہئے جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق کا نفاذ نہیں ہوتا ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنے والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر اور اکراہ کرنے سے باز رہیں گے (۱۰) جن امور میں محنت اور مشقت ہو ان کو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہئے۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے "کہ قرآن کریم میں اول اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں فقط جنت و دوزخ کا ذکر تھا اور جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام کی طرف لوگوں کو میلان قلبی ہونے لگا تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اگر اول ہی لا تشربوا الخمر (شراب مت پیو) نازل ہوتا تو لوگ بھڑک جاتے اور کبھی اس پر عمل نہ کرتے اسی طرح اگر لا تزنوا (زنا نہ کرو) نازل ہوتا تو وہ طبائع پشت ہا پشت سے اس کی عادی چلی آتی تھیں کبھی نہ مانتیں اور سخت انتشار پیدا ہو جاتا۔ (۱۱) خود حضور انور کو وہ فعل ترک کر دینا چاہئے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو۔ اس سے لازم آیا کہ فتنہ کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کر دینے چاہییں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت الكعبة وبنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام" یعنی اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قرب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔

ان [illegible] سے [illegible] پہلوں، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کا حکم دیا ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں کیا اور ہر ایک کے لئے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے ان لفظوں کے معنی اپنی عادت کے موافق خود سمجھ لیں۔ مثلاً یہ تو بیان کر دیا "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی جن پر سورۂ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے۔ اس سورہ کی تشدیدیں اور حرکات و سکنات نہیں بیان کئے۔ اور نیز شارع نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہیں لیکن اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو انہیں امور میں سے جواب دیدیا جو ان کے خیال میں تھے۔ غرض حضور انور نے مصلحت یہی سمجھی کہ انضباط کے بعد امور کو امت کی رائے پر چھوڑ دیں مثلاً شارع نے استقبال قبلہ اور نماز عیدین کے اوقات معلوم کرنے کیلئے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول "القبلة ما بين المشرق والمغرب اذا استقبل الكعبة" یعنی قبلہ ہی ہے جو مشرق و مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جانے میں شمول کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا "الحج يوم تحجون والفطر يوم تفطرون" یعنی جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز

افطار کرتے ہو وہی یوم الفطر ہے۔

ان تمام حقائق اور باریکیوں پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیاد نہایت آسانی پر رکھی گئی ہے اور ہر ہر قدم پر مصلحت سے کام لیا گیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مصلحت وقت کو ملحوظ رکھا۔ رسول کریم نے مصلحت وقت کی پابندی کی اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ مصلحت پر ہمیشہ کاربند ہونا۔ اس سے زیادہ آسان اور انسانی فطرت کے مطابق اور کونسا مذہب ہو سکتا ہے۔ سورہ فاتحہ جس پر مسلمانوں میں خون خرابہ ہوا شارع اسلام نے اس کی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا ہے۔ کتنا آزادانہ اور پیارا قول ہے کہ جس روز حج کر لیا وہی حج کا دن ہے اور جس روز روزہ افطار کر لیا وہی یوم الفطر ہے کہاں ہے وہ اسلام جس کی رسول کریم نے تعلیم فرمائی تھی اور کہاں ہے وہ سہولیت جو خداوند تعالیٰ نے اس میں رکھی تھی۔ ہماری ذاتیات نے اسلام کی خوبصورتی کو مٹا دیا ہے اور ہماری نفسانی خواہشوں نے اس کے نورانی چہرہ پر وہ خاک ڈالی ہے کہ سوائے گرد و غبار کے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم آمین بالجہر، رفع یدین، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے نہ پڑھنے پر کٹے مرتے ہیں اور وہاں ان بیہودہ باتوں کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔ اصول سے بحث ہوتی تھی ان بیہودہ فروعات کا ذکر بھی نہ تھا۔ آمین اگر کوئی پکار کے کہتا ہے تو کہنے دو نہیں کہتا تو اس کو جبر نہ کرو۔ رفع یدین کرتا ہے تو اسے خون کی نظروں سے نہ دیکھو نہیں کرتا تو اسے بدعتی اور مشرک نہ کہو۔ خوب سمجھ رکھو کہ اسلام کو ان باتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین خدا ان باتوں سے بالکل پاک ہے۔ یہ ہمارے ذاتی جھگڑے اور فساد ہیں اسلام کا فاصلہ ان بیہودہ فسادوں سے ہزاروں کوس ہے۔ وہ باتیں نہ کرو جن سے لوگ بالطبع متنفر ہوں۔ شارع صلے اللہ علیہ وسلم کی پر از حکمت ہدایتوں پر غور کرو اور سمجھو کہ تم راہ راست سے بہت دور بھٹک کے نکل گئے ہو۔ شب و روز اپنا یہ ورد رکھا کرو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر۔ اسی کا ورد رکھو اور اسے دل لگا کر پڑھو اور اپنا پہلو تمام ان جھگڑوں ٹنٹوں سے بچاؤ جو اصل میں ذاتی اور دنیا طلبی کے لئے ہیں مگر نفس پرستوں نے انہیں مذہب کا جامہ پہنا دیا ہے۔

جب یہ خیال آتا ہے کہ اسلام نے جہان کے گمراہوں کی کیسی اصلاح کی اور وہ اخیر تک اپنی اصلاح میں کامیاب رہا اور پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم باوجودیکہ پشتہا پشت سے مسلمان ہیں لیکن ہماری عادتیں مشرکوں اور کفار سے بھی بڑھی ہوئی ہیں تو سخت شرم آتی ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسلام کو کس صورت میں پیش کر رکھا ہے اور اس محسن کشی کی سزا ہمیں کیا ملے گی ہم زمانہ جاہلیت کا حال پڑھتے ہیں اور پھر اپنی حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہم ان سے بدرجہا بعض برائیوں میں بڑھے ہوئے ہیں ہمیں جتنی سزا دی جائے کم ہے اور ہم جتنے برباد ہوں ہمارے لئے سزاوار ہے۔ غرض جو کچھ ہم کرتے ہیں ہمارا ذاتی فعل ہے اسلام کو ہماری ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

زمانہ جاہلیت

زمانہ جاہلیت کا اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام نے دنیا میں آکے کیا کیا اور اسلام کی دنیا کو کتنی ضرورت تھی۔ حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری بعثت صرف اس لئے ہوئی ہے کہ میں ملت حنیفیہ خلیلیہ کی کمی کو پورا کروں [illegible]

اُس سے تغیر [illegible] اصلاح کر دیں۔ چنانچہ آپ سے [illegible] نے اپنے [illegible] اہیم کا مذہب اختیار کر کے ملت ابی کم ابراہیم بنی اسمٰعیل کی نسلوں میں ان کے جد اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا تمام بنی اسمٰعیل اسی شریعت پر ثابت قدم یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اس شخص نے ملت اسمٰعیلی میں بہت کچھ بیہودہ تصرفات کئے اور نئی نئی باتیں داخل کر دیں۔ بت پرستی کی نئی نئی شاخیں نکلتی چلی گئیں اور آخر یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ بنی اسمٰعیل میں سوائے کفر اور بت پرستی کے کچھ نظر نہ آتا تھا جب حضور انور مبعوث ہوئے تو آپ نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اس میں جو جو طریقے اسمٰعیل کے ملک کے موافق بجملہ شعائر الٰہیہ کے تھے ان کو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہو گئی تھی یا جن میں خرابیاں آگئی تھیں یا جو امر کفر و شرک کی حد تک پہنچے تھے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان [illegible] لوگ رسمی لوثوں اور غوائل سے احتراز کر سکیں۔ خراب رسموں کی آپ نے مخالفت فرمائی اور اچھی رسموں کی ترغیب [illegible] اصلی یا عملی پہلے سے متروک سمجھے ان کو ان کی اصلی حالت پر کر دیا۔ گویا اس طرح خدا کا انعام مکمل اور خدا کا دین [illegible]

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل جاہلیت بعثت انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی سزا و جزا کے قائل [illegible] نیکی کے تمام اصول پر ان کا اعتقاد تھا جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ ان کو بھی [illegible] تھے [illegible] تھے اور ان کے عقاید علیحدہ علیحدہ تھے مثلاً ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا۔ فاسقین چوپایوں اور [illegible] کہتے تھے جو ملت اسمٰعیل کے خلاف تھے۔ نفسانی حالتیں ان پر غالب تھیں مذہبی امور کا پاس کم تھا یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے فسق و فجور میں مبتلا رہتے۔ زنادقہ گروہ کے لوگ اپنے کو ہر مذہب سے آزاد سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ دنیا میں انسان مذہب میں پابند رہنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ اور تھا جو مذہب کو انسان کے ساتھ [illegible] ضروری تو [illegible] کرتا تھا مگر اس کی طرف توجہ نہ کرتا تھا اور اپنے مفروضہ مذہبی اصول سے بھی اس نے غفلت اور بے پروائی اختیار کر رکھی [illegible] میں قریش بھی تھے جنہوں نے اپنی توجہ بالکل مذہب کی طرف سے پھیر لی۔ اہل جاہلیت کے اصولوں میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ آسمان و زمین اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہیں ان کا خالق خدا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے بیشک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہدیں گے خدا نے پیدا کیا ہے "ولئن سألتہم من خلق السموٰت والارض لیقولن اللہ" اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا کی ذات اس سے منزہ ہے جو اس کی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اس کے ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ بات زندقہ کی زیادہ کر دی تھی کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں فرشتوں کو خدا نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اسے معلوم نہ ہو وہ ان کے ذریعے سے معلوم کرے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

ان کے اعتقادات میں یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر خدائے تعالیٰ نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے شرع نے اور اس کو موکد کر دیا ہے ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے وہاں بتدریج حوادث متحقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی دعائیں کسی نہ کسی طرح سے اپنا اثر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کی صورت ان کے خیال میں ایسی تھی جیسا [illegible]

ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام اعمال کی جزا دیتا ہے۔ اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے۔ برے اعمال ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے

خدا تعالیٰ کے پاک فرشتے ہیں جو اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی بادشاہت میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں خدا کے حکم سے وہ اس دنیا کی تدابیر میں مستغرق رہتے ہیں اور احکام الٰہی کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم انہیں ملتا ہے اس کی تعمیل بہت سرگرمی سے کرتے ہیں لا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون " وہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ انہیں کسی چیز کی احتیاج ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کبھی کبھی خدا اپنی مہربانی اور فضل سے کسی کو کسی آدمی کو مخلوق کے لئے مبعوث کیا کرتا ہے اس پر وحی نازل کیا کرتا ہے فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے اس کی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے بغیر اس کی تعمیل اور فرماں پذیری کے چارہ نہیں ہوا کرتا۔

اہل جاہلیت میں فرشتوں کا خیال بکثرت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کی دو شعروں میں تصدیق فرمائی ہے اسکا قول ہے۔

رجل وثور تحت رجل یمینه والنسر للاخری ولیث مرصد

یعنی آدمی بیل، گرگس اور شیر یہ سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں حضور انور نے یہ شعر گوش گزار فرما کے ارشاد کیا امیہ نے سچ کہا ہے اسکے بعد امیہ کے یہ شعر پڑھے۔

والشمس تطلع کل آخر لیلة حمراء یصبح لونها یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلها الا معذبة والا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اس پر عذاب کیا جاتا ہے اور اسے تازیانے پڑتے ہیں (یعنی اپنے پروردگار کی قوت سے مغلوب رہتا ہے) حضور انور نے اس شعر کو سنکے فرمایا سچ کہا۔ اہل جاہلیت کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ خدا کے حضور میں آدمیوں کی شفاعت کرتا رہتا ہے اور دوسرے فرشتہ کی صورت بیل کی ہے اور یہ چار پایوں کا شفیع ہے تیسرا گرگس کی شکل ہے یہ پرندوں کا شفیع بنا ہوا ہے چوتھا شیر کی شکل ہے اور اس کے متعلق درندوں کی شفاعت ہے۔ اسکے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے ان فرشتوں کا نام کروبی رکھا ہے (دو بل) عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ساری باتیں اہل جاہلیت میں بہ سچ تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے اور علمی اور یقینی امور کو اپنے مالوف خیالات سے خلط ملط کر دیتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوتے ہیں مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمر بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے ان میں حکما اور کامل لوگ عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے وہ توحید کو ٹھیک طریقہ سے مانتے

تھے زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے برجستہ شعر میں کہا ہے

وانت الله ملک الناس طرا — یکفیک المنایا والحتوف

یعنی تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے تیرے ہی اختیار میں ہیں۔ اسی فاضل شاعر کے اور دو اشعار بھی حسب ذیل ہیں ۔

اربا واحدا ام الف رب — ادین اذا تقسمت الامور

ترکت اللات والعزی جمیعا — کذلک یفعل الرجل البصیر

یعنی میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے امیّہ بن صلت کے حق میں فرمایا اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔

یہ سب اعتقادات وہ تھے جو وراثتہ ان میں چلے آتے تھے بعض عقاید اہل کتاب سے بھی اخذ کر کے اپنے ہاں داخل کر لئے تھے انہیں بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت کشش اور کوشش سے خدا سے تعلق ہو اور خدا کی پرستش کی جائے۔ عبادت کے ابواب میں سے ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی طریقہ تھا ختنہ اور تمام اوصاف و خصائل فطرت کا بھی ان کے ہاں بخوبی اہتمام تھا۔ وضو کا طریقہ بھی ان کے ہاں جاری تھا۔ وہ نماز بھی پڑھا کرتے تھے چنانچہ قس ابن ساعدہ آبادی کی کبھی نماز ہی قضا نہ ہوتی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے سے دو سال پہلے سے نماز پڑھتے تھے جیسا کہ مجوسی اور یہودیوں کے نماز میں تعظیمی افعال کی پابندی تھی خاص سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الٰہی کے متعلق بعض مقولے بھی ہیں۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی اہل و عیال کا نفقہ، مساکین کو خیرات یعنی صلہ رحم ان حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے اور ان امور کو بہت ہی قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان ہی امور سے انسان کامل ہوتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور سے عرض کیا تھا واللہ آپ کو یہ ماندہ نہ کرے گا آپ صلہ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل و عیال کے متکفل ہیں۔ آسمانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں" فواللہ لا یخزیک اللہ انک لتصل الرحم وتقری الضیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق اسی طرح ابن دغنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ فجر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ بھی معمول ہو تھا زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورے کا روزہ رکھتے تھے مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمر ایک پوری شب اعتکاف میں بیٹھے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بابت استفتا کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی میری طرف سے اتنے غلام آزاد کئے جائیں بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الٰہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وظیفے وظائف بھی پڑھتے تھے اور تعویذ گنڈوں کی رسم بھی ان کے ہاں جاری تھی ہاں ان رسموں میں شرک کی باتیں داخل ہوگئی تھیں۔ ذبح کرنا اور گردنوں پر چھرا ارنا ان کا روزمرہ تھا۔ وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے اور چیرتے ہی سے سب جانیں نہیں لیتے تھے۔

پیش بینی کے لئے اُن کے ہاں خواب اور گزشتہ انبیا کی بشارتیں تھیں [illegible] امانت اور قیافے تھے [illegible] معاملات
کا اندازہ کرنا اُن کے ہاں رائج تھا۔ حضور انور نے جب حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے
ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا [illegible] جانتے ہیں کہ انہوں نے [illegible] کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں کیا۔ [illegible]
[illegible] فقط [illegible] اپنے جد حضرت ابراہیم کے طریقہ پر قائم رہے یہاں تک کہ ان میں [illegible] کا ظہور ہوا
جن کی پیدائش کا زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] برس قبل سے [illegible] ہے۔

زمانہ جاہلیت میں کھانے پینے، لباس [illegible] میلوں میں، مردوں کے دفن کرنے، نکاح، طلاق، عدت، ماتم، خرید و
فروخت اور تمام معاملات کے نہایت محکم طریقے معین تھے جو ان کی پابندی نہ کرتا تھا قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔ محارم مثلاً بیٹیاں
مائیں بہنیں وغیرہ سب اُن کے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لئے اُن کے ہاں تعزیرات معین تھیں۔ قصاص دیت
اور قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے اسی طرح زنا اور چوری کی سزائیں بھی مقرر تھیں ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ سے منزلی
اور مدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہوگئی تھیں۔ ساتھ ہی فسق و فجور کی کثرت نے انہیں ارذل ترین حالت میں پہنچا دیا
تھا۔ غارتگری، لوٹ مار سے بڑے بڑے مظالم توڑے جاتے تھے۔ زنا فاسد نکاح اور [illegible] بہت عام ہوگئے تھے۔ نماز اور زکوٰۃ
کو بالکل ترک کر دیا تھا اور ان روحانی فضائل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی۔ جب تمام برائیوں کی انتہا ہوگئی تو حضور انور کا ظہور ہوا۔
آپ نے تمام اُن علمی اور عملی امور میں غور کیا جو ان میں موجود تھے ان میں سے جو حصہ ملت ابراہیمی کا تھا اس کو آپ نے بحال
رکھا اور اُس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا پھر عبادات کے طریقے معین فرمائے۔ اسباب و اوقات، شروط و ارکان، مستحبات
و مفسدات، رخصت، عزیمت، ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیئے گناہوں کو منضبط فرما کے ان کے ارکان و شروط معین
فرما دیئے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروع کئے۔ ملت حنیفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اس کو غالب کرنے کی نہایت
کوشش کی اُن کی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو مٹا دیا۔ اصلاح کی ہدایت فرمائی۔ تمام فاسدہ رسوم کا ستیاناس کر دیا۔ ملت
کبریٰ کو ان میں قایم کیا۔ حدیثوں میں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم نے فرمایا ہے کہ میں آسان حنیفی روش کا مذہب لایا ہوں۔
بعثت بالملة السمحة الحنيفة البيضاء۔ سمحہ سے یہ مطلب ہے کہ اس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی رہبوں نے گھڑ
لی تھیں بلکہ اس میں ہر ایک عذر کے لئے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز، باکار اور بیکار سب اس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور
حنیفیہ سے مراد ابراہیمی ہے جس میں شعائر الٰہیہ قایم کئے جاتے ہیں اور شعائر شرک مٹائے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں
بالکل باطل کی جاتی ہیں اور بیضاء سے یہ مراد ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اس مذہب کی بنیاد قایم کی ہے نہایت
صاف ہیں جو شخص تامل اور سچے دل سے ان میں نظر کرے گا اسے کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل اس سے انکار
نہیں کرے گا۔

احکام شرعی

جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب احادیث میں مدون کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (اول)

وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں جن [illegible] سے تعالیٰ فرماتا ہے ،، ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا یعنی پیغمبر جو تمہیں بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس [illegible] سے منع کرے اس سے باز آؤ۔ ان امور میں ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجائب تبلیغ رسالت کا ہے [illegible] آکرتے ہیں آنحضرت کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں [illegible] ہے جو بلا تقید رکھی گئی ہیں ،، کا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا تھا اسکی حدیں بیان کی گئیں [illegible] اخلاق کا بیان ہے یہ حصہ زیادہ تر اجتہادی ہے۔ دوم۔ وہ امور ہیں جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کی نسبت حضور انور کا ارشاد ہے ،، انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر ترجمہ یعنی میں ایک انسان ہوں جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درخت خرما کے پیوند لگانے کے بارے میں فرمایا تھا۔ ،، انما ظننت ظنا و لا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ یعنی میں نے صرف گمان کیا تھا مجھ سے بات کا مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اسے اختیار کرو اسلئے کہ میں نے خدا پر جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اسی میں طب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق حضور انور کا ارشاد ہے ”گھوڑا نہایت سیاہ جس کی پیشانی میں ہلکی سی سفیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو۔ ان میں وہ امور بھی شامل ہیں جو آپ اتفاقیہ کیا کرتے تھے اور ہمیشہ ان پر عمل نہیں فرماتے تھے۔ ان ہی میں وہ امور بھی ہیں جو آپ نے بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے مثلاً لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں اور آپ بھی کچھ فرمانے لگے حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں اور اس کو ہی زید ابن ثابت نے بیان کیا ہے۔ چند آدمی ان کے پاس آئے اور کہا رسول مقبول کی کچھ حدیثیں بیان کیجیے حضرت زید نے کہا میں حضور انور کے ہمسایہ میں تھا جب وحی نازل ہوتی تو مجھے آپ بلا بھیجتے تھے میں اس وحی کو لکھا کرتا تھا حضور انور کی یہ کیفیت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر کرنے لگتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے آپ بھی وہی ذکر کرنے لگتے اور جب [illegible] کا ذکر [illegible] ساتھ ذکر فرماتے ہو جاتے پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کا تم سے ذکر کروں۔ ان میں وہ امور بھی شامل ہیں [illegible] حضور انور کے زمانہ مخصوص میں ایک جزوی مصلحت تھی لیکن وہ امور امت کے لئے حتمی نہ تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ہمیں رمل و طواف میں سینہ تان کے چلنا) سے کیا علاقہ ہم اپنی یہ حالت انہیں دکھایا کرتے تھے جنہیں خدا نے آپ ہلاک کر دیا ہے آپ کا قول یہ ہے ” مالنا وللرمل کنا نترایا بہ قوما قد اہلکہم اللہ ان ہی امور میں آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا ثابت ہوتا تھا ویسا ہی آپ فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علی سے حضور انور نے فرمایا تھا ،، الشاہد یری ما لا یری الغائب ،، یعنی جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا ان کو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو۔

شریعت کا طریقہ اخذ

حضور انور سے شریعت دو طریقے پر اخذ کی گئی ہے اول ظاہر قول سے اس کو حاصل کیا اس میں ضرور ہے کہ اقوال بعینہ نقل کیے جائیں خواہ متواتر یا غیر متواتر کی نقل کبھی لفظاً ہوا کرتی ہے [illegible] قرآن کریم چند احادیث مثلاً ”انکم سترون ربکم [illegible]

یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے اور کبھی تمام معنی ہوتا ہے مثلاً طہارت نماز [illegible] کو حج [illegible] کے اکثر احکام میں مسلمانوں کے کسی فریق نے اختلاف نہیں کیا بجز شواذ میں [illegible]
کہتے ہیں جس کو تین صحابہ یا زیادہ [illegible] روایت کیا ہو اور پانچویں [illegible]
کی حدیثیں اکثر [illegible] مسائل فقہ کی ان ہی پر بنیاد ہے [illegible] کے بیان [illegible]
فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہو گیا ہو پھر ان حدیثوں [illegible] نے اختلاف کیا ہو کسی نے قبول کیا اور کسی نے رد طریقہ صرف یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور [illegible] سے احکام شریعت اخذ کئے جائیں اُنکی صورت یہ ہے کہ اصحاب پاک نے حضور انور کو کوئی امر فرماتے [illegible] سے کوئی حکم کسی شے [illegible] وغیرہ ہونے کا مستنبط کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی اور کہدیا فلاں [illegible] جائز ہے۔ پھر تابعین نے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتووں اور فیصلوں کو اسی کے مطابق مدون کر کے خوب استحکام کر لیا۔ اس طرح میں حضرت علی [illegible] عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بڑے پایہ کے مانے جاتے ہیں لیکن حضرت عمر ہر مقدمہ میں صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ دیا کرتے تھے اور پھر آپ کا فیصلہ ناطق ہوتا تھا [illegible] ایسا فیصلہ ہوتا تھا کہ مشرق و مغرب [illegible] شخص [illegible] اس فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمر کی وفات سے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے جو رستہ اختیار کیا ہم نے [illegible] پایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی مقدمہ کے فیصلہ میں مشورہ لینے کی عادت نہ تھی اسلئے آپ کے فیصلے [illegible] اور عام طور پر ان کی مقبولیت نہیں ہوئی۔ بہت چند لوگ تھے جو آپ کے فیصلوں سے احکام اخذ کرتے تھے۔ حضرت [illegible] ابن مسعود کا قیام [illegible] کوفہ میں رہتا تھا اس لئے آن کا بھی اثر اسی اطراف کے لوگوں پر رہا۔

پھر حضرت عبد اللہ بن عباس [illegible] انہوں نے خود اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں اگلوں کی مخالفت کی۔ مکہ معظمہ میں آپکے پیرو بہت سے پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اپنے مسلک سے اس بات کا ثبوت دیدیا کہ استنباطی مسائل میں دوسروں کے احکام کی تقلید کرنی [illegible] ضروری نہیں ہے۔ آپ نے جو مسلک اختیار کیا وہ جمہور اسلام کے بالکل بر خلاف تھا ان چاروں صحابہ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور [illegible] سے واقف تھے لیکن رکن، شرط، مستحب، مسنون میں اُنہیں امتیاز نہ تھا۔ اور ایسے تو بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلالت کی حالت میں اُن کا کوئی خاص قول ہوتا عبد اللہ ابن عمر، حضرت عائشہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس درجہ کے قائل تھے اور تابعین کے اکابر میں اسی قسم کے لوگ مدینہ میں فقہائے سبعہ تھے مثلاً مکہ میں عطا بن رباح، کوفہ میں ابراہیم، شریح اور [illegible] بصرہ میں حسن بصری رحمہم اللہ مانے جاتے تھے۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اجتہادی مسائل میں کوئی شخص کسی کی تقلید پر مجبور نہیں کیا گیا ہے کیونکہ اجتہادی حالت میں بہت [illegible] کہ اس میں صحابہ اور تابعین کے قیاسوں کا مجموعہ شامل ہوا کرتا ہے اس میں وہ امور صحیح ہوتے ہیں [illegible] کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور یہ ضرور نہیں کہ اجتہاد ہمیشہ درست ہی ہو [illegible] ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کرنے والے [illegible] حدیث ملتی ہے جو حجت کے قابل نہیں ہوتی اسلئے اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔